تحریک آزادی، کشمیر: بھارتی عزائم اور اہلِ پاکستان

منشورات

اگست 1996

فیسر خورشید احمد

profkhurshidahmad.com all rights reserved

تحریک آزادی کشمیر

بھارتی عزائم اور اہل پاکستان

پروفیسر خورشید احمد

منشورات

مسئلہ کشمیر اور کھلے حقائق

ریاست جموں و کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خلاف چلنے والی تحریک آج بڑے ہی نازک اور فیصلہ کن دور سے گزر رہی ہے۔ تحریک آزادی کشمیر کوئی نئی تحریک نہیں ہے۔ اس کا آغاز ۱۹۳۱ میں ڈوگرہ راج کے خلاف زبردست عوامی جدوجہد سے ہوا۔ ۱۹۴۷ میں یہ تحریک ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ بھارت نے ڈوگرہ مہاراجہ اور برطانوی سامراج کے، اور خصوصیت سے اس کے نمائندوں ریڈ کلف اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تعاون سے، اور ننگی فوجی قوت کے ذریعے، ریاست کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ پھر جب عوامی جدوجہد کا دباؤ بڑھا تو بھارت نے اقوام متحدہ کا سہارا لیا اور استصواب کا وعدہ کرکے جنگ بندی کرائی۔ لیکن آج تک ریاست کے شہریوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے حق سے محروم رکھا۔

ریاست کے مسلمان ایک مدت تک یہ امید لگائے رہے کہ ان کی قسمت کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ہوجائے گا۔ انھیں یہ امید بھی تھی کہ بڑی طاقتیں اور پاکستان، ان قراردادوں پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں گے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ کی جنگوں سے بھی ان کو یہ توقع تھی کہ شاید کشمیر کا مثبت فیصلہ ہوجائے۔ لیکن ان تمام امکانات کا نتیجہ مایوسی کی شکل میں نکلا۔

پھر مقبوضہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے ایک آخری کوشش "مسلم متحدہ محاذ" کے جھنڈے تلے ۱۹۸۷ کے ریاستی انتخاب کے ذریعے کی۔ اس انتخاب میں بھارتی حکام نے جس بدترین درجے کی دھاندلی کی، اس نے بیلٹ بکس کے ذریعے تبدیلی کے امکان سے عوام کو مکمل طور پر مایوس کردیا۔ اس مایوسی کا اظہار ۱۹۸۹ کے انتخاب کے مکمل بائیکاٹ کی شکل میں کیاگیا۔ اس انتخاب کا ۹۷ فی صد افراد نے بائیکاٹ کیا۔ یہ تاریخی

بائیکاٹ ایک طرف بھارت کے غاصبانہ اقتدار کے خلاف ریفرنڈم تو تھا ہی، مگر دوسری طرف تحریک کی حکمت عملی میں ایک انقلابی تبدیلی کے لئے فیصلہ کن موڑ بن گیا۔ اب تمام ذرائع بند ہونے کے بعد بیلٹ کی بجائے بلٹ (گولی) کے ذریعے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا گیا۔

۱۹۹۰ سے جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے بھارتی استعماری چنگل سے آزادی کے لئے وہی راستہ اختیار کیا ہوا ہے، جسے الجزائر میں مسلمان عوام نے ۱۹۶۰ کے عشرے میں فرانس کے سامراج کے خلاف استعمال کیا تھا، اور جو اس وقت سے استعماری طاقتوں کے خلاف آزادی کی تحریک کا موثر ترین ہتھیار رہا ہے۔

۱

آج اگر مسئلہ کشمیر اجاگر ہوا ہے، اور اسے عالمی پیمانے پر ایک بار پھر شنوائی حاصل ہو رہی ہے، تو یہ اس جہادی تحریک کی وجہ سے ہے، جو اہل کشمیر نے اپنے حق آزادی کے حصول کے لئے برپا کی ہوئی ہے۔ گزشتہ آٹھ سال سے کشمیر کے نوجوان اپنے خون کا نذرانہ پیش کرکے جہاد آزادی کی ایک نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ موجودہ مرحلے کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے کہ مسلمانان کشمیر کی ہمہ گیر جہادی تحریک نے مقبوضہ کشمیر کے طول و عرض میں بھارت کے اقتدار کی چولیں ہلادی ہیں اور چند ہزار سرفروشوں کی جدوجہد نے ۶ لاکھ فوج کو ریاست پر بھارت کی حکمرانی کو قائم رکھنے میں ناکام کردیا ہے۔

اس تحریک کو کچلنے کے لئے بھارت نے اپنی عسکری قوت کا بڑا حصہ کشمیر میں جھونک دیا ہے۔ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ ریاستی تشدد کا دور دورہ ہے۔ انسانی حقوق ہر گلی اور ہر بازار میں پامال ہو رہے ہیں۔ بوڑھے، بچے، عورتیں نشانہ ستم بن رہے ہیں، علاقے کے علاقے ایسے ہیں، جہاں ۱۲ مہینے کرفیو کا راج رہتا ہے۔ گاؤں کے گاؤں اور محلے کے محلے نذر آتش کئے جارہے ہیں، معصوم عورتوں کی آبروریزی بلکہ اجتماعی عصمت دری ریاستی ظلم کا ایک گھناؤنا اسلوب بن گئی ہے۔[۱]، لیکن ظلم کا تازیانہ

تحریک آزادی کے لئے مہمیز کا کام کر رہا ہے۔

آج جب کشمیر کے عوام اپنے خون کی زبان سے بھارت کے ظالمانہ سامراج سے آزادی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق مانگ رہے ہیں' اور اس کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کر رہے ہیں' سوچنے کا اہم سوال یہ ہے کہ پاکستان' اس کے عوام اور حکومت کہاں تک اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہیں؟ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ مسئلہ کے تاریخی تناظر اور مستقبل کے امکانات کی روشنی میں اس سوال پر غور کرے۔ ہر صاحب ایمان' اللہ رب العزت اور مسلمانان جموں و کشمیر کے سامنے اپنی تاریخی جواب دہی کو سمجھے' اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ تاریخ میں ایسے فیصلہ کن مواقع روز روز نہیں آتے۔ اگر ہماری غفلت سے خدا نخواستہ یہ تاریخی موقع ضائع ہو گیا تو بہ حیثیت قوم ہمارے لئے دنیا میں تباہی اور آخرت میں رسوائی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ اگر ہم نے وقت کے اس چیلنج کا بھرپور جواب دیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ برعظیم کا نقشہ بدل جائے گا۔

مسئلہ کشمیر کے چار فریق

سب سے پہلے جس بات کو واضح ہو جانا چاہیے' وہ یہ ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا مسئلہ دراصل خود پاکستان اور اہل پاکستان کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ بلاشبہ ظلم جہاں بھی ہو' ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے خلاف آواز اٹھائے اور مظلوم کی مدد کرے۔ اگر یہ ظلم اس کے اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں پر ہو رہا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اور بھی زیادہ ہمت اور مستعدی کے ساتھ مظلوموں اور مستضعفین کی مدد کرے۔ اگر یہ آگ خود اس کے اپنے گھر میں لگی ہو اور اس کے اپنے جگر گوشے مشق ستم بن رہے ہوں تو پھر اس کی ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کشمیر میں آج جو کچھ ہو رہا ہے' اس کے بارے میں اہل پاکستان کی ذمہ داری ہر تین پہلوؤں سے ہے۔

کشمیر' جیسا کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا' "پاکستان کی شہ رگ ہے" ایک قوم کے لئے اس سے بڑی غفلت کی بات اور کون سی ہو سکتی ہے کہ اس کی شہ رگ پر دشمن کا قبضہ ہو اور اسے پھر بھی چین کی نیند آتی ہو؟

مسئلہ کشمیر کے بارے میں دوسری حقیقت یہ سامنے رہنی چاہیے کہ پاکستان کی حیثیت اس معاملے میں ایک بنیادی فریق کی ہے، محض ایک تماشائی کی نہیں۔ کشمیر کا سب سے پہلا قانونی رشتہ پاکستان سے قائم ہوا۔ ۱۹۴۷ میں آزادی کے حصول کے ساتھ ۱۴ اگست کو ریاست جموں و کشمیر اور پاکستان کے درمیان ایک عبوری معاہدہ (stand still agreement) ہوا، جس کی رو سے وہ تمام امور، خصوصیت سے راہ داری، مواصلات، ڈاک، بجلی وغیرہ جو پہلے سرکار برطانیہ کے ذریعے انجام پاتے تھے، اس معاہدہ کے بعد پاکستان کے ذریعے انجام پانے لگے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو جس طرح پاکستان کی عمارتوں پر پاکستانی پرچم لہرایا، بالکل اسی طرح کشمیر کے ان محکموں پر بھی پاکستانی پرچم بلند ہوا اور وہاں کے سرکاری ملازمین نے پاکستان سے وفاداری کا رشتہ استوار کیا۔ اس انتظام پر ضرب بھارت کی فوج کشی سے پڑی اور تنازعہ کشمیر نے جنم لیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کی افواج میں سرزمین کشمیر پر جنگ ہوئی۔ اقوام متحدہ نے استصواب کے وعدے پر جنگ بند کرائی۔ جنگ بندی کی یہ قرارداد (ریزولیوشن ۴۷ آف ۱۹۴۸ء) بیلجیم، چین، کولمبیا، کینیڈا، برطانیہ اور امریکہ نے مشترکہ طور پر پیش کی اور پاکستان اور بھارت نے اسے منظور کیا۔

اس پس منظر کی روشنی میں مسئلہ کشمیر کے چار فریق ہیں: پاکستان، بھارت، اقوام متحدہ اور سب سے اہم ریاست جموں و کشمیر کے عوام جنہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ نہ یہ محض بھارت کا داخلی مسئلہ ہے اور نہ اس کا تعلق محض پاکستان اور بھارت کے درمیان کسی سرحدی تنازعے سے ہے۔ اصل مسئلہ جموں و کشمیر کے مستقبل کا ہے، جسے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں وہاں کے عوام کو اپنی آزاد مرضی اور بین الاقوامی نگرانی میں منعقد کیے جانے والے استصواب کے ذریعے طے کرنا ہے۔

یہ ان کا حق ہے کہ وہ طے کریں کہ ان کی ریاست کا الحاق پاکستان سے ہو یا بھارت سے، نیز اس الحاق کے بعد وہاں کا مستقل نظام حکومت کس شکل میں اور کس

انداز میں مرتب کیا جائے؟ اصل مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے وعدوں کے مطابق حق خود ارادیت کا مسئلہ ہے۔ اور جب تک اس مسئلے کو حل نہیں کیا جاتا، کشمیر کا مسئلہ پیچیدہ تر ہوتا جائے گا۔ جس اسکیم پر برعظیم پاک و ہند کو آزادی ملی اور دو مملکتیں وجود میں آئیں، یہ اسی اسکیم اور اسی ایجنڈے کا ایک غیر طے شدہ نکتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استصواب سے ہٹ کر اس کا کوئی قانونی اور اخلاقی حل ممکن نہیں۔

بھارتی دعوے کی حقیقت

مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں یہ بات بھی آپ سے آپ واضح ہوجاتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر، بھارت کا حصہ نہیں بلکہ ایک متنازعہ علاقہ ہے، جس کے مستقبل کا فیصلہ بین الاقوامی قانون کے مطابق ہونا باقی ہے۔ بھارت مستقل طور پر عالمی رائے عامہ کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کررہا ہے کہ "کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے" لیکن صفحہ ہستی پر اس سے بڑا جھوٹ ممکن نہیں۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو جب بھارت آزاد ہوا، اس وقت کشمیر اس کا حصہ نہ تھا۔ قانونی طور پر بھارت کے دعوے کی بنیاد اس "دستاویز الحاق" پر رکھی جاتی ہے، جس کے بارے میں خیال ہے کہ اس پر ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ کو مہاراجہ ہری سنگھ نے دستخط کیے۔

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس "دستاویز الحاق" کے بارے میں بھی چند پہلو واضح کردیئے جائیں:

الف۔ مہاراجہ کے خلاف پوری ریاست میں بغاوت کی تحریک چل رہی تھی۔ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس دونوں ہی اس کے خلاف تھیں۔ اس پر سب کا اتفاق تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ مہاراجہ نہیں بلکہ وہاں کے عوام کی مرضی سے ہونا چاہیے۔

ب۔ مہاراجہ کا اقتدار ڈانواں ڈول تھا۔ اس کا حکم غیر موثر تھا اور وہ دارالحکومت یعنی سری نگر کو چھوڑنے پر مجبور ہوچکا تھا۔ خود شیخ عبداللہ نے اپنی خودنوشت "آتش چنار" میں تسلیم کیا ہے کہ ادھر یہ حالات

رونما ہو رہے تھے ادھر مہاراجہ نے بوریا بستر باندھ کر اپنے جواہرات اور دیگر قیمتی اثاثے کو صندوقوں میں بند کر کے ایک سو سے زیادہ گاڑیوں میں لاد دیا اور خود اس بھگوڑے قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے ۲۵ اکتوبر کو جموں کی جانب کوچ کر گیا۔ (ایضاً ص ۴۱۱) دوسرے الفاظ میں مہاراجہ اس وقت صاحب اقتدار نہیں تھا اور بین الاقوامی قانون کا مسلمہ اصول ہے کہ جس کی گرفت اقتدار پر نہ ہو، وہ اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی بات طے نہیں کر سکتا۔

ج۔ جس دستاویز پر مہاراجہ کے دستخطوں کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں، نیز یہ کہ بھارتی فوجیں دراصل کسی بھی دستاویز پر دستخط سے پہلے سری نگر پہنچ گئی تھیں۔ پروفیسر الیسٹر لیمب نے اپنی دو تحقیقی کتابوں میں ناقابل تردید وثائق اور شواہد سے ثابت کیا ہے کہ بھارتی فوجیں ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ کو کشمیر میں پہنچ گئیں، جبکہ مہاراجہ سے زبردستی جو دستخط حاصل کئے گئے وہ ۲۷ اکتوبر سے پہلے حاصل کرنا ناممکن تھے۔ جس دستاویز کو "دستاویز الحاق" کہا جاتا ہے وہ محض ایک پروفارما ہے، جس سے کوئی چیز حتمی طور پر ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مہاراجہ کے اس خط کو بھی سامنے رکھا جائے، جو اس وقت لکھا گیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ الحاق کا فیصلہ نہیں کر رہا تھا، بلکہ اپنی پوزیشن سنبھالنے کی شرائط پیش کر رہا تھا۔ پروفیسر لیمب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آج تک کسی بین الاقوامی فورم پر اس اصل دستخط شدہ دستاویز کو پیش نہیں کیا گیا۔۲ اس تحقیق کے صحیح ہونے پر شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، یوں بھارت کے دعوے کی ساری قانونی بنیاد ہی پادر ہوا ہو جاتی ہے

ع وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

د۔ پھر یہ بات تو ہر حیثیت سے اور ہر ایک کے نزدیک مسلم ہے یہ کہ ایک وقتی اور عارضی انتظام تھا جس کی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی۔ اصل فیصلہ ریاست کے عوام کے آزادانہ استصواب کے ذریعے ہونا تھا جو ابھی تک

نہیں ہوا ہے۔

خود شیخ عبداللہ نے لکھا ہے کہ:

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھارت کے گورنر جنرل کی حیثیت سے الحاق منظور کرتے ہوئے یہ مشہور زمانہ شرط لگادی، جس نے بعد میں کشمیر کے سوال کو بین الاقوامی سطح تک پہنچایا۔ انہوں نے مہاراجہ کو لکھا "جن مخصوص حالات کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کے پیش نظر میری حکومت بھارتی ڈومینین کے ساتھ الحاق کو اس اصول کے تحت قبول کرتی ہے کہ جس ریاست کے الحاق کا مسئلہ ما بہ نزاع ہو، وہاں الحاق کا فیصلہ ریاستی عوام کی خواہش کے مطابق ہو۔ میری حکومت کی خواہش ہے کہ کشمیر میں جوں ہی امن و امان ہو اور حملہ آوروں سے ریاست کو نجات ملے، تو ریاست کے الحاق کا مسئلہ عوام کی رائے سے طے کیا جائے۔ (آتش چنار، ص ۴۱۷)

بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو نے جب ۱۹۵۴ میں آئین ساز اسمبلی کے ذریعے الحاق کرانے کی تجویز پیش کی تو شیخ عبداللہ نے ان کو یہ جواب دیا:

جواہر لال نے پھر اپنی بات دہرائی تو میں نے ان کی خواہش کی تکمیل کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ اب یہ میری باری تھی، جواہرلال کا حافظہ تازہ کرانے کی اور انھیں یہ یاد دلانے کی، کہ کشمیر میں رائے شماری کرانے کے سلسلے میں ہم ساری دنیا اور کشمیر کے سامنے قول ہار چکے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں اس قدر پابند (commit) ہوچکے ہیں، کہ اب ہم اپنی رسوائی کی قیمت پر ہی اپنے وعدے سے مکر سکتے ہیں۔ اگر ہم آئین ساز اسمبلی کے ذریعے الحاق کا فیصلہ کرلیں تو دنیا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اس کے علاوہ عالمی سطح پر بھارت کی شبیہ مجروح اور اس کی حیثیت مشکوک ہوجائے گی۔ سلامتی کونسل بھی اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرے گی، پاکستان کے ماننے کی بات تو بہت دور رہی۔ دنیا کی رائے عامہ پاکستان کی ہم نوائی کرے گی۔ خود کشمیری عوام کا آپ پر اعتماد متزلزل ہوجائے گا اور جس تنازعے کو ختم کرنے کے لئے ہم یہ سب کچھ کررہے ہیں وہ ایک شمشیر برہنہ کی طرح ہمارے سروں پر بدستور

لٹکتا رہے گا۔ (آتش چنار، ص ۴۶-۵۴۵)

آج نصف صدی گزرنے کے بعد یہ شمشیر برہنہ بھارت کے سر پر لٹک رہی ہے اور عالمی رائے عامہ کو یاد دلا رہی ہے کہ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور جب تک وہاں کے عوام اپنی آزاد مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ نہ کرلیں، کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ فرار کا ہر راستہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔

۲

اپنوں کی گواہی

کشمیر کے بارے میں بھارت جس تضاد بیانی کا شکار ہے، اسے بھارت کے مشہور صحافی کل دیپ نیئر نے بڑے لطیف انداز میں بیان کیا ہے:

وزیراعظم نرسیماراؤ نے یوم آزادی پر لال قلعہ کی بلندیوں سے ارشاد فرمایا کہ "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔" پھر چند ہی ماہ بعد پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو لکھا کہ "بھارت، کشمیر کے بارے میں بات چیت کے لئے تیار ہے۔" جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ موصوف نے یہ مان لیا کہ اس علاقے کے مستقبل کا ابھی فیصلہ ہونا باقی ہے۔ کوئی حاکمیت اعلیٰ رکھنے والا ملک اپنے کسی علاقے کی حیثیت کے بارے میں بات کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا جب تک وہ علاقہ متنازعہ نہ ہو۔ (The Radiance دہلی، ۲-۸ جنوری ۱۹۹۴)

بھارت کے ایک نامور قانون دان مسٹر اے۔ جی نورانی امریکہ کی وزارت خارجہ کی عہدہ دار مسز رابن رافیل اور ان کے پیش رو، جان اپچ کیلے کے ان بیانات کی روشنی میں، جو کشمیر کو ایک متنازعہ علاقہ تسلیم کرنے کے باب میں انہوں نے دیئے ہیں، لکھتے ہیں:

بالکل یہی بات خود جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ میں ۷ اگست ۱۹۵۲ کو کہی تھی۔ گو الحاق، قانون اور امر واقع کے اعتبار سے ہوچکا ہے، مگر اس کے

ساتھ ایک اور حقیقت بھی مسلم ہے، گو اس کا کوئی تعلق قانون سے نہیں، یعنی کشمیر کے عوام سے ہمارا عہد ---- بلکہ اگر آپ چاہیں تو اسے یوں بھی کہہ لیں، ساری دنیا کے عوام سے ہمارا عہد ---- کہ اس الحاق کی توثیق یا تنسیخ یا (بھارت سے) باہر نکل جانا، اگر کشمیری عوام کی رائے ہو ---- اسی طرح چند روز قبل ۲۶ جون کو جواہر لال نے کہا تھا: "میں اپنے دستور کے مکمل احترام کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ دستور میں کیا کہا گیا ہے، اگر کشمیر کے عوام یہ نہیں چاہتے تو پھر اس کا اطلاق نہیں ہوگا"۔ نیز ایک اور موقع پر (۲ نومبر ۱۹۴۷) انہوں نے اعلان کیا تھا کہ "یہ اسی پالیسی (یعنی عوام کی رائے کا اتباع) کے احترام کا تقاضا تھا کہ ہم نے کشمیر کی "دستاویز الحاق" میں ایک شرط کا اضافہ کیا تھا۔" ماؤنٹ بیٹن کا خط جو اس "دستاویز" کا ایک نا قابل تنسیخ جزو ہے، اس میں اس شرط کا ذکر بہ حیثیت ایک لازمی حصہ کے ہے۔ اسی نوعیت کی ضمانتیں سر این جی ائیگل نے بھی اس وقت دی تھیں، جب دستور میں دفعہ ۳۷۰ کا اضافہ کیا جارہا تھا (۱۷ اکتوبر ۱۹۴۹)، سر گرجا شنکر باج پائے نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے بھارت و پاکستان کو یہی ضمانت دی تھی (۲۱ نومبر ۱۹۴۹)۔ اسی طرح مسٹر مینن نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہی گواہی دی تھی (۸ فروری ۱۹۵۷) کہ الحاق صرف عارضی نوعیت کا ہے۔ یہی عارضی نوعیت اس وائٹ پیپر پر بھی بیان کی گئی ہے جو بھارتی حکومت نے شائع کیا تھا (۱۹۴۸)۔ (میں سمجھتا ہوں کہ) اس عہد و پیمان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں آج ۱۹۹۳ میں ان پر آج کی صورت حال کی روشنی میں عمل ہونا چاہیے۔ (The Radiance، دہلی، ۵-۱۱ دسمبر ۱۹۹۳)

اے۔ جی نورانی اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں کہ نہرو نے لیاقت علی خان سے اپنی خط و کتابت میں مسئلہ کشمیر کو ایک عالمی مسئلہ تسلیم کیا تھا اور ۲۶ فروری ۱۹۵۵ کو مسٹر لکشمی چرن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لوک سبھا میں اعلان کیا تھا کہ "محض کشمیر کی آئین ساز اسمبلی کی قرارداد سے یہ مسئلہ طے نہیں کیا جاسکتا۔"

(A question like this can not be solved unilaterlally) اور پھر صاحب مضمون حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انھی پنڈت نہرو نے اپریل ۱۹۵۶ میں کشمیر کے مسئلے کو یک طرفہ حل کرنے کا اعلان کرڈالا۔ نورانی لکھتے ہیں:

> وہ (یعنی پنڈت نہرو) چاہتے تھے' کہ دنیا اس مسئلے کو جسے ۸ جولائی ۱۹۴۹ میں خود انھی نے ایک عالمی مسئلہ A world question کہا تھا' اب اس کے یک طرفہ حل کو قبول کرلے اور بس خاموش ہوجائے۔ لیکن دنیا نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا ہے۔(ایضاً)

یہی بات بھارت کے قومی لیڈر جے پرکاش نرائن نے ۱۹۶۴ میں کہی تھی:

> یہ بات لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے جو عہد کیا تھا وہ محض پاکستان سے نہیں تھا' یہ عہد تو کشمیر کے عوام سے تھا۔ پاکستان کی خطاؤں کی سزا کشمیری عوام کو دینے کا کیا جواز ہوسکتا ہے؟ ان تمام امور کی روشنی میں' میری نگاہ میں اس معاملے میں مبنی برحق اور تعمیری سوچ یہی ہے کہ کشمیر کے عوام کو ان کے حق خود ارادی سے محروم نہ کیا جائے۔ نہ یہ ہی درست ہے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ اپنے اس حق کو استعمال کرچکے ہیں' یا ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ اب اس حق کا استعمال غیر منطقی اور ناقابل عمل ہے۔ ہم چاہے کتنے ہی زور سے یہ بات کہیں کہ بھارت سے کشمیر کا الحاق مستقل اور ناقابل تنسیخ ہے' دنیا اسے ہرگز تسلیم نہیں کرے گی۔(ایضاً)

جے پرکاش نرائن نے اندرا گاندھی کو خط (۲۳ جون ۱۹۶۶) لکھا تھا اور جسے ایک بھارتی دانشور ایم۔جے۔ اکبر نے اپنی کتاب Kashmir Behind the Vale میں نقل کیا ہے' بھارت کے سوچنے سمجھنے والے طبقات کے اضطراب اور ان کے ضمیر کی کسک کا غماز ہے۔

جے پرکاش نرائن لکھتے ہیں:

> ہم جمہوریت کا دعویٰ کرتے ہیں' لیکن کشمیر پر محض طاقت کے بل بوتے پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سیکولرزم کی بات کرتے ہیں' لیکن ہندو قوم پرستی کو موقع دیتے ہیں کہ ہمیں مجبور کرے کہ تشدد کے ذریعے اس کا تسلط قائم

ہو۔ کشمیر کی وجہ سے ہر دوسری چیز سے زیادہ دنیا میں ہمارا وقار مجروح ہوا ہے۔ دنیا میں کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے، بشمول روس، جو ہماری کشمیر پالیسی کو پسند کرتا ہو، خواہ ان میں کچھ، دوسری وجوہ سے ہماری تائید ہی کیوں نہ کر دیتے ہوں، مسئلہ کشمیر زندہ ہے اور اس لئے نہیں کہ پاکستان اسے ہم سے چھین لینا چاہتا ہے، بلکہ اس لئے کہ وہاں کے عوام کے دلوں میں گہری اور ہمہ گیر بیداری اور بے اطمینانی ہے۔۳۔

ہماری ان معروضات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ ریاست جموں و کشمیر آج بھی اسی طرح ایک متنازعہ علاقہ ہے جس طرح ۱۹۴۷ میں بھارت کی فوج کشی کے وقت تھا اور اہل کشمیر کی حالیہ جدوجہد نے ایک بار پھر اس مسئلے کو ایسی قوت سے زندہ کردیا ہے کہ اب اس کے مستقل حل کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں ہے۔ مسئلے کا مستقل اور حقیقی معنوں میں جمہوری حل صرف استصواب رائے ہے۔

مسئلہ کشمیر کی اس نوعیت کے واضح ہوجانے سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ کشمیر میں جو تحریک برپا ہے، وہ دراصل آزادی اور حق خود ارادیت کی تحریک ہے۔ اسے علاحدگی پسندی کی تحریک کہنا ایک صریح ظلم اور غلط بیانی ہے جبکہ اس کو دہشت گردی قرار دینا اس سے بھی بڑا جھوٹ اور ظلم۔ اس لیے کہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اپنے دفاع میں اور اپنی آزادی کے حصول کے لئے اگر باقی تمام راستے بند کردیئے گئے ہوں تو مسلح جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ خصوصیت سے جہاں حکومت جبر اور قوت کا استعمال کررہی ہو، وہاں اپنی آزادی کے حصول کے لئے استعماری قوتوں کا مقابلہ انھی کے ہتھیاروں سے کیا جاسکتا ہے، اس حق کا اشارہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں بھی موجود ہے۔ خود غیر جانبدار تحریک (NAM) کے اعلانات میں افراد کے خلاف تشدد، ریاستی تشدد اور آزادی کی جدوجہد کو صاف صاف لفظوں میں ایک دوسرے سے ممیز کیا گیا۔ بقول ڈیوڈ راپو پورٹ:

دوسری عالمی جنگ کے فوراً بعد وہ متشدد (terrorists) جو سامراجی قوت کے خلاف آزادی کی جدوجہد کررہے ہوں ان کو "تشدد پسند" نہیں، بلکہ آزادی

کے مجاہد (freedom fighters) کہا جانے لگا۔ حتیٰ کہ مغرب میں بھی ان کے لئے یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔۴۔

یہی وجہ ہے کہ الجزائر کے انقلاب نے جو نمونہ پیش کیا' اگلے تیس سال تک اسی پر سامراج دشمن تحریک بڑھتی رہی۔ تنظیم آزادی فلسطین کو اقوام متحدہ میں آبزرور کی حیثیت حاصل ہوئی۔ جنوبی افریقہ میں اے این سی کی جدوجہد کو عالمی تائید حاصل ہوئی۔ مجاہدین افغانستان کو حریت کا نقیب قرار دیا گیا۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کے لائق ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی (۱۹۷۲) میں "سیاسی تشدد" کو زیر بحث لایا گیا' تو تشدد کی کسی ایک تعریف پر اتفاق نہ ہوسکا اور ارکان کی ایک نمایاں تعداد نے اس جدوجہد کو خواہ اس میں بظاہر تشدد کا پہلو بھی موجود ہو' جو ایک مبنی برحق سیاسی نصب العین مثلاً حق خود ارادیت کے لئے کی جائے' سیاسی تشدد ماننے سے انکار کر دیا۔۵۔

کشمیر میں برپا جہاد حریت' حق خود ارادی کی تحریک ہے۔ اسے نہ علاحدگی پسندی کی تحریک کہا جاسکتا ہے' اور نہ معروف معنی میں تشدد اور دہشت گردی کی تحریک۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ تحریک خالص عوامی تحریک ہے۔ اسے مقبوضہ کشمیر کے عوام کی ہمہ جہتی تائید حاصل ہے۔ یہ کوئی باہر سے درآمد شدہ تحریک نہیں ہے۔ پھر یہ تحریک نتیجہ ہے بھارت کی ظالمانہ اور آمرانہ پالیسیوں کا' جن پر وہ گزشتہ نصف صدی سے عمل پیرا ہے۔ اسی طرح یہ جدوجہد کسی ایک دن میں اچانک کہیں خلا سے نمودار نہیں ہوئی۔ حالات کا کھلی نگاہ سے مشاہدہ کیا جائے تو اس میں ایک تسلسل اور تدریجی ارتقا دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ تحریک نشیب و فراز سے گزری ہے۔ لیکن ۱۹۴۷ سے آج تک اس کے تسلسل کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ مارچ ۱۹۸۷ اور پھر جنوری ۱۹۹۰ سے یہ اپنے فراز کی طرف مصروف عمل ہے اور اس زمانہ میں اس میں وسعت اور گہرائی دونوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے' جس کے نتیجہ میں آج اسے بلا خوف تردید قومی تحریک کہا جاسکتا ہے۔

معاصر بھارتی دانشوروں کی رائے

بھارت کی وہ کون سی پالیسیاں ہیں' جن کے نتیجے میں حالات اتنے خراب ہوئے ہیں

اور اس تحریک نے ہمہ گیر بغاوت کا روپ دھار لیا ہے؟ نیز یہ بات کہ تحریک بنیادی طور پر داخلی تحریک ہے اور آج مقبوضہ کشمیر کی تقریباً تمام مسلم آبادی بھارت اور اس کی حکومت سے بیزار ہے اور اب اسے بھارت کے چنگل سے آزادی ہی میں اپنے لئے زندگی اور عزت کا سامان نظر آرہا ہے۔ ہم ان دونوں پہلوؤں پر صرف بھارت کے چوٹی کے دانشوروں اور صحافیوں کے تجزیوں کی کچھ جھلکیاں پیش کرتے ہیں:

پروفیسر رامیش ٹھاکر، ایک بھارتی دانش ور جو نیوزی لینڈ کی اوٹیگو یونیورسٹی میں ایشین اسٹڈیز کے ڈائریکٹر ہیں، مشہور عالمی جریدے Foreign Affairs (شمارہ بہار ۱۹۹۲) میں بھارت کی کشمیر پالیسی کے دیوالیہ پن کا اس طرح تجزیہ کرتے ہیں:

کشمیر میں امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بغاوت کی وہ تحریک نہیں جسے سرمایہ اور اسلحہ اسلام آباد سے مل رہا ہو، بلکہ پالیسی کے میدان میں وہ خلا ہے، جو دہلی میں پایا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ سے کشمیر پر بھارت کے تسلط کی تاریخ نے پورے بھارت کے لئے بڑے نقصان دہ نتائج پیدا کئے ہیں۔ بھارت بجاطور پر فخر کرتا ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، لیکن کشمیر پر جبری تسلط اور قبضے نے جمہوریت کے اس دعوے کو بے اثر کردیا ہے۔ کشمیر میں جمہوری اداروں کو بار بار انتخابی عمل میں در اندازی اور بدعنوانی کے ذریعے تباہ کردیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت ماننے کو تیار نہیں کہ اس ریاست میں کٹھ پتلی حکومت کے سوا کوئی برسر اقتدار ہو۔ گزشتہ برسوں میں بھارتی حکمرانوں کا دامن کشمیر میں پولیس اور فوج کی ظالمانہ کارروائیوں سے داغ دار ہے ---- جس طرح کشمیر کو بھارت میں محض طاقت کے بل پر رکھا گیا ہے، اس سے خود وفاق کا سارا تجربہ بے معنی ہوکر رہ گیا ہے۔ دہلی کے حکمرانوں نے کشمیر کے عوام کی خواہشات کا کوئی احترام نہیں کیا ہے۔ بھارت میں کشمیر کو ضم کرنے کا تجربہ سرکاری خزانہ پر بھی ایک بڑا بوجھ ثابت ہوا ہے۔ گزشتہ برسوں میں بھارت کی کشمیر پالیسی کے نتیجے میں ملک کو اخلاقی، معاشی، سیاسی اور بین الاقوامی طور پر خسارہ ہی خسارہ حاصل ہوا ہے۔ ۱۹۹۰ کی تحریک مزاحمت کے نتیجے میں ریاست کا انتظام مفلوج ہوگیا ہے۔ مسئلے کو

محض امن و امان اور نفاذ قانون کا معاملہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ کرفیو، پولیس کی روز افزوں سختیوں اور فوجی اور نیم فوجی قوتوں کے طاقت اور مزید طاقت کے استعمال کے ذریعے علاحدگی پسندوں کو دبانے اور مجبور کرنے کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، جس کا نتیجہ الٹا ہوا ہے۔ یعنی اس کے نتیجے میں علاحدگی پسندی کا رجحان اور بھی قوی ہوگیا ہے اور اسے سوسائٹی کے وسیع دائرے سے مدد و معاون مل گئے ہیں، جن کا مقصد اور ہدف کشمیر کو بھارت کے کنٹرول سے آزاد کرانا ہے۔ (ص، ۱۷۰)

مشہور صحافی اور تجزیہ نگار خوشونت سنگھ نے لکھا ہے:

ہمارے زیر انتظام کشمیر میں متعدد انتخاب ہوئے ہیں، اور متعدد وزرائے اعلیٰ برسر اقتدار آئے ہیں۔ لیکن یہ تمام انتخاب کسی حیثیت سے بھی اتنے منصفانہ اور آزادانہ نہ تھے، جتنے دوسری ریاستوں میں ہونے والے انتخابات۔ اس کے نتیجے میں جو لوگ وزرائے اعلیٰ بنے، ان کو عوامی مقبولیت کی حامل قیادت نہیں کہا جاسکتا۔ ان افراد کا تو دراصل دہلی سے تقرر ہوا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی دہلی نے ان کو نامناسب پایا، بہ یک بینی و دو گوش روانہ کردیا اور ریاست کو گورنر کے راج تلے لے آیا گیا۔ وہ لوگ جو دریائے جہلم کی وادی کے حسین مقامات پر گئے ہیں، یا جنہیں کشمیری مسلمان دوستوں سے ملنے کا موقع ملا ہے، وہ اعتراف کریں گے کہ کشمیر کے مسلمان اپنے کو بھارتی کہنے سے کتراتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ بھارتی پاسپورٹ پر سفر کرتے ہیں، مگر جب بھی بات کرتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ "تم بھارتی" اور جب اپنی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم کشمیری"۔ ہم نے وادی میں کروڑوں روپیہ لگایا، لیکن وہ تو ایک ایسی کھائی ثابت ہوئی، جس کی کوئی تہہ نہ ہو۔ عام آدمی کی زبوں حالی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جب حالات بگڑے تو ہم نے فوج اور نیم فوجی جوان بھیجے، تاکہ حالات کو قابو میں کریں۔ وہ ہمیں انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و تشدد کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ بلا شبہ ان الزامات میں کچھ مبالغہ بھی ہوسکتا ہے، لیکن اس بات کا انکار ممکن نہیں کہ

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں تو ہوئی ہیں۔ آیئے حقائق کو تسلیم کریں: پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کشمیری مسلمانوں کی تائید سے مکمل طور پر محروم ہوچکے ہیں۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اخلاقی طور پر ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ ان لوگوں پر اپنے کو محض طاقت کے بل بوتے پر مسلط کریں، جو ہم کو نہیں چاہتے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ وادی اتنی چھوٹی ہے کہ سیاحوں اور دستکاری پر انحصار کی وجہ سے قطعاً اس پوزیشن میں نہیں کہ ایک مکمل طور پر آزاد ریاست کی حیثیت سے ترقی کرسکے۔

ایک سمجھ دار قوم کی حیثیت سے ہمیں اب طوطے کی طرح یہ رٹ لگانا ترک کردینا چاہیے کہ "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور مسئلے کا حل صرف شملہ معاہدہ کے تحت ممکن ہے"۔ اس تکرار کا حاصل تو صرف گرم گفتاری ہے! اور آخری بات: ہمیں اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ جو چیز سب سے اہم اور اصل مطلوب ہے، وہ وادی کے لوگوں کی خوشی اور اطمینان ہے۔" (روزنامہ Dawn کراچی، ۳۰ نومبر ۱۹۹۳)

ایم۔جے اکبر تحریک آزادی کشمیر کے مخالفین میں سے ہیں، لیکن حالات کا جو نقشہ کھینچتے ہیں، وہ ملاحظہ کے لائق ہے:

عسکریت کے علم بردار بڑی تیزی سے حاشیہ سے وسط دریا (mainstream) کی طرف بڑھنے لگے اور ایک ایسی تیز رفتاری سے بڑھنے لگے ہیں کہ جس کی نہ خود ان کو توقع تھی اور نہ ان کے پاکستانی سرپرستوں کو اندازہ تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۸۹ میں جس حکمت عملی پر وہ عمل پیرا تھے وہ یہ تھی کہ سال کے متعین دنوں میں متعین مقامات پر وہ سرگرم تھے اور یہ جانچ رہے تھے کہ ان کی مقبولیت کتنی ہے۔ ہر بار انھیں اپنی مقبولیت کا گراف اوپر ہی جاتا نظر آیا۔ پھر نومبر ۱۹۸۹ کے انتخاب ہوئے۔ اس موقع پر تو ان کے اندازے بھی غلط ثابت ہوئے جو حالات سے مایوس تھے۔ عام انتخابات میں عسکری قوتوں کو مکمل عوامی تائید حاصل ہوئی۔ صرف پانچ فیصد افراد ووٹ دینے کے لئے گئے، باقی نے بائیکاٹ کی پکار کا ساتھ دیا۔

اب حالات اس مقام پر پہنچ گئے تھے، جو ڈرامے کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۰ کی آزادی کے لئے عوامی تائید ڈھکی چھپی تھی، مکمل اور واضح نہیں تھی، لیکن گورنر جگ موہن کے آنے کے بعد حالات بدل گئے۔ لوگ پہلے تو خائف ہوئے، مگر پھر ہمت کا جوالہ پھوٹا اور خوف کی جگہ اس جرات نے لے لی جو ناامیدی کی پیداوار ہوتی ہے۔ لوگ گلیوں میں جوق در جوق آنے لگے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات عورتوں اور بچوں کا طوفان تھا۔ انتظامیہ حواس باختہ ہوگئی اور گولی چلانے کا حکم دے دیا، پھر کیا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف اس دن گوکادل کے مقام پر پچاس لاشیں تو ٹھنڈی ہوگئیں۔ یہ دن یادگار بن گیا۔ ۱۹ جنوری ایک تاریخی موڑ ہے، جس نے تحریک کو عوامی ابھار عطا کیا۔ سری نگر کی ہر مسجد جوش اور جذبے کا ایک قلعہ بن گئی۔ ہر خطبہ علاحدگی کا ناقوس بن گیا۔ لاؤڈ سپیکر کی آوازوں نے فضاؤں کو بھردیا اور کیسٹ آزادی کے ترانے الاپنے لگے۔ ہر طرف سے یہی شور تھا "ہم کیا چاہتے ہیں ---- آزادی، آزادی، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔" (ایضاً ص ۲۱۳، ۲۲۳)

ایم۔جے اکبر نے اپنی کتاب کو شیخ عبداللہ کے مزار کی حالت زار پر ختم کیا ہے:

> اس سادہ اور پروقار مزار کے چاروں طرف آج اسلحہ بردار محافظ بیٹھے ہیں۔ پولیس والے فوج کے پورے بارود خانے سے مسلح! شیخ کی زندگی تو پولیس کی نگرانی میں گزری، لیکن موت کے بعد بھی پولیس ہی اس کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے۔ دشمن کس طرح بدلتے ہیں! ہاں اتنی بات تو یقینی ہے، کشمیر کی روح امن و آشتی سے شاد کام کیسے ہوسکتی ہے؟ جب شیخ محمد عبداللہ کے مزار کی بھی حفاظت کے لئے بندوقوں کا سہارا لینا پڑے۔ (ایضاً)

ڈاکٹر منظور عالم کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے ہیں، اور آج کل ورلڈ بنک کے مشیر ہیں۔ جدہ کے Saudi Gazzette میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون (۲۷ فروری ۱۹۹۴) میں لکھتے ہیں:

۱۹۸۷ کے انتخابات کے بعد سے کشمیر کے حالات تبدیل ہوگئے ہیں۔ آج کشمیر، بھارت سے کلی طور پر مغائرت کا شکار ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کشمیر کبھی بھی جذباتی طور پر بھارت کا حصہ نہیں تھا اور نہ کبھی بھارت کی حکومت نے اسے اپنے سے یک جان کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔ گو کشمیر کو مالی معاملات میں ایک خاص حیثیت دی گئی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ناروا امتیازی سلوک کا نشانہ رہا۔ وہ ریاستیں جن کو special status (خاص حیثیت) حاصل ہے ان کو مرکزی امداد کا ۹۰ فی صد بطور گرانٹ اور صرف ۱۰ فی صد بطور قرض ملتا ہے۔ لیکن کشمیر کا معاملہ یہ ہے کہ ۹۰-۱۹۸۹ تک مرکزی حکومت سے جو کچھ کشمیر کو ملا، اس کا ۷۰ فی صد بطور قرض اور صرف ۳۰ فی صد بطور گرانٹ تھا۔ نیز کشمیر سے بھارت کی تجارت غیر متوازن ہے، جس کے نتیجے میں عملاً کشمیر سے سرمایہ بھارت کو منتقل ہو رہا ہے۔

اجیت بھٹاچاریہ نے لکھا ہے:

"نئی دہلی، کشمیر کی منتخب قانونی حکومتوں کی قسمت سے کھیلتی رہی اور جس وزیراعلیٰ سے ناخوش ہوئی اس کو گرانے میں لگ گئی۔"

ویر شنگھوی لکھتا ہے:

گنتی کے کشمیری مسلمان ہوں گے جو اپنے کو بھارتی سمجھتے ہوں اور ہم نے بھی اہل کشمیر کو غیر ہی سمجھا۔ ہم نے حزب اختلاف کے قائدین کو جیلوں میں محبوس کیا، انتخابات کو بدعنوانیوں کی نذر کیا، استصواب سے احتراز کیا اور ایک حد تک اس وجہ سے کہ ہم کو یقین نہیں تھا کہ نتیجہ کس رخ پر ہوگا۔

(ہفت روزہ Sunday، ۲۶ ستمبر ۱۹۹۱)

آر ڈی ساٹھے، سابق سیکرٹری خارجہ نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ:

پاکستان اس وقت کشمیر میں وہی کھیل کھیل رہا ہے جو بھارت نے ۱۹۷۱ میں بنگلہ دیش کے بنانے میں کھیلا تھا۔ اس وقت پورا مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان

کے تسلط کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسی طرح آج بھارت کشمیر کے مسئلے کو محض لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ بناکر پیش کررہا ہے۔ حالانکہ تقریباً کشمیر کی پوری وادی بھارتی حکمرانوں کے خلاف اعلان بغاوت کررہی ہے۔ آج کشمیری مسلمانوں میں بھارت کا کوئی دوست باقی نہیں رہا ہے۔ کشمیری مسلمان بڑی شدت سے بھارت کے ساتھ رہنے کا مخالف ہے' بلکہ اب تو اس کو بندوق کا خوف بھی باقی نہیں رہا (روزنامہ The Hindu' ۷ ستمبر ۱۹۹۳)۔

کشمیری مسلمانوں کی بھارت سے مغائرت اور بے زاری کو جنرل اشوک مہتا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

جو اشارے کشمیر کی وادی سے مل رہے ہیں' وہ صاف بتاتے ہیں کہ آج وادی میں حکم عسکری نوجوانوں کا چل رہا ہے' بھارتی انتظامیہ کا نہیں (ہفت روزہ Sunday' ۱۶-۱۰ اکتوبر ۱۹۹۳) ---- وادی کے تمام اہم مقامات' خصوصیت سے سری نگر' سوپور' بارہ مولا' مجاہدین کے قبضے میں ہیں۔ بھارتی انتظامیہ سے عوام کی مغائرت مکمل ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہماری یہ پالیسی ہے کہ ہم نے کشمیری مزاحمت کا مقابلہ بس بندوق کی نالی سے کیا ہے۔ کشمیر پر جو بھی بھاری رقوم ہم نے صرف کی ہیں' وہ سب بیکار گئی ہیں۔ وادی کی آبادی کی عظیم اکثریت بھارت سے کوئی سروکار رکھنے کی روادار نہیں۔ (ہفت روزہ Sunday' ۱۳-۷ نومبر ۱۹۹۳' ص ۳۵)۔

ایک اعلیٰ فوجی افسر کا بیان ہے کہ

ہم ان سے عددی قوت میں کہیں زیادہ ہیں۔ اسی طرح ہمارے پاس ان سے کہیں زیادہ بہتر ہتھیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی اچھی پٹائی کرسکتے ہیں' مگر کیا کریں ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام مکمل طور پر ہماری انتظامیہ سے بے زار ہیں۔

ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل پولیس نے بھی یہی کہا ہے کہ

عوام کی یہ بے زاری اور مغائرت ہماری اصل اور سب سے بڑی دشمن ہے۔ ہم یہ جنگ جیت ہی نہیں سکتے اگر ہمیں عوام کا تعاون حاصل نہیں

India Today ۱۵ ستمبر ۱۹۹۳)۔ نہ صرف یہ کہ عوام ہمارے ساتھ نہیں بلکہ لوکل انتظامیہ، مقامی کشمیری بیوروکریسی اور پولیس بھی ہم سے دور ہوگئی ہے۔ اور اس کی وجہ وہ بے اعتمادی اور شک و شبہ کی روش ہے جس کا مظاہرہ بھارتی انتظامیہ مقامی انتظامیہ کے بارے میں اختیار کرتی ہے۔

ڈاکٹر منظور عالم معاشی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

چودہ سالہ افغان جنگ نے روس کی معیشت کو تباہ کردیا ہے۔ انجام کار روس کو افغانستان میں اپنی فوج کشی ترک کرنا پڑی اور فوجوں کو واپس بلانا پڑا۔ لیکن پھر بھی افغان جنگ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اس میں ہمارے لئے بھی ایک سبق ہے۔ بھارتی افواج اور نیم فوجی دستے ایک نہایت مشکل مقام پر سخت نفسیاتی دباؤ کے تحت کام کررہے ہیں۔ جنرل اشوک مہتا کے بقول "کشمیر میں ہمارے سیکیورٹی فورس میں جسمانی اور اخلاقی ہر دو اعتبار سے ٹوٹ پھوٹ کا عمل اسی طرح جاری ہے جس طرح بدن سے سست رفتاری سے خون رسنے سے بدن کمزور ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس فوجی اور انتظامی مشینری کی نااہلی نے مجاہدین (militants) کو ان پر نمایاں فوقیت حاصل کرنے کا موقع دیا ہے" (Sunday، ۱۸-۱۴ ستمبر ۱۹۹۳)۔

ایک رپورٹ کے مطابق:

بھارت نے ابھی تک ۴۰۰ سے ۶۰۰ بلین روپے کی ضروری اشیاء کشمیر روانہ کی ہیں۔ ہوش ربا اخراجات کے باوجود بھارت اور کشمیر کے بارے میں مستقبل کے امکانات روشن نہیں۔ کشمیر میں بغاوت کے نتیجے میں حکومت مجبور ہوئی ہے کہ نصف ملین فوجی اور نیم فوجی اس جنگ میں جھونک دے۔ دولت کے لئے فوج کی بھوک ناقابل تسکین ہے، جبکہ بھارت بیرونی دنیا کا ۹۰ بلین ڈالر کے قریب مقروض ہے اور اس کا دو تہائی بس فوج کو چوکس رکھنے کے لئے صرف ہوا ہے (Sunday، ۱۴۔ نومبر ۱۹۹۳)

اجیت بھٹاچاریہ اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

کشمیریوں کے پاکستان کے دو قومی نظریہ کو رد کرنے اور ایک سیکولر جمہوری

بھارت سے ناتا جوڑنے سے جو ہمارا سرعزت و افتخار سے بلند ہوا تھا' آج وہ شرم سے جھک گیا ہے۔ اس وقت وادی میں جن جذبات کا اظہار ہو رہا ہے' ان کا مظہر بھارت کے خلاف کیے جانے والے مظاہرے ہیں۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ آج بھارتی سیکیورٹی فورسز وہی کردار ادا کر رہی ہیں' جو آزادی کی جدجہد کے دوران برطانوی فوج آزادی کے متوالوں کے خلاف ادا کرتی تھی۔ ضروری نہیں کہ ایک عام کشمیری مسلمان عسکریت کے علم برداروں کی سرگرمیوں کی حمایت کرے' لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بھارت سے نفرت اور بے اعتمادی کی حد تک ان کے ہم نوا ہیں۔ پاکستان نے اس بے چینی سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا پورا زور لگایا ہے 'جیساکہ اس نے ۱۹۴۷ سے اب تک کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس بے چینی کو پاکستان نے پیدا نہیں کیا۔ ہمیں خود اپنی پالیسیوں اور اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے' تاکہ ہم یہ متعین کر سکیں کہ کہاں کیا خرابی پیدا ہوئی اور اس کا کس طرح تدارک کیا جاسکتا ہے ؟ سب سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ریاست جموں و کشمیر کو انڈین یونین کی باقی تمام ریاستوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کو بھارت کا حصہ نہیں بنی' جس طرح باقی علاقے بھارت کا حصہ بنے ۔ دستاویز الحاق کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ بھارت الحاق کو مستقل شکل دینے سے پہلے کشمیر کے لوگوں کی مرضی معلوم کرے گا۔(The Pioneer' ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۳)

مسئلہ کے حل کا ذکر کرتے ہوئے اجیت بھٹاچاریہ نے کہا ہے کہ :

واحد راستہ جو مجھے نظر آتا ہے وہ تو یہی ہے کہ ہم کشمیر کے لوگوں سے اپنے کیے ہوئے وعدے کو پورا کریں' اور ان کو یہ موقع دیں کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ ہر وہ دن جو کہ فوجی حکمرانی کے تحت گزر رہا ہے' اس بات کو یقینی بنا رہا ہے کہ وہ بھارت سے اپنے ربط و تعلق کو منقطع کرلیں گے۔ (ایضاً)

مندرجہ بالا اقتباسات کشمیر کی اصولی صورت حال کو سمجھنے اور خود بھارت کے دانش

وروں اور سوچنے سمجھنے والے عناصر کے اضطراب اور بے چینی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کشمیر کی تحریک مزاحمت اندرونی اسباب کی پیدا کردہ ہے' اور اسے جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی عوامی تائید حاصل ہے۔ نیز یہ تحریک اس مقام پر پہنچ گئی ہے' جہاں اب محض قوت سے اسے دبانا ممکن نہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں نے بھارت سے اپنی نفرت کا برملا اظہار کردیا ہے اور انہوں نے اس کی غلامی سے نجات کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی ہے۔ اس سلسلے میں جو قربانیاں وہ پیش کررہے ہیں' وہ تاریخ کا ایک تابناک باب ہیں۔ لیکن اب اصل سوال یہ ہے کہ پاکستان اور عالم اسلام ان کی کس طرح مدد کرے۔ قربانیوں کی ایک حد ہوتی ہے' اور تاریخ گواہ ہے کہ جب ایک قوم یہ فیصلہ کرلے کہ وہ اپنے ایمان' اپنی آزادی اور اپنی عزت کے لئے جان قربان کرنے کو تیار ہے تو پھر کوئی دنیاوی قوت اسے غلام نہیں رکھ سکتی۔ لیکن قوت اور صلاحیت کا جو تفاوت بھارت کی عسکری مشین اور کشمیر کے تقریباً نہتے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے' اس کا تقاضا ہے کہ اس بہادر اور غیور قوم کی بھرپور مدد کی جائے' تاکہ وہ کم سے کم وقت میں اپنے مقاصد حاصل کرسکے۔

کشمیر کے مسلمان آج صرف کشمیر کی جنگ ہی نہیں لڑ رہے' وہ پاکستان کے تحفظ اور اس کی تکمیل کی جنگ بھی لڑ رہے ہیں' وہ اسلام کی جنگ بھی لڑ رہے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ پاکستان کے عوام اور پاکستان کی حکومت' امت مسلمہ اور مسلمان حکومتیں' ایک واضح کشمیر پالیسی پر عمل پیرا ہوں۔

حواشی

۱۔ جنوری ۱۹۹۰ سے دسمبر ۱۹۹۳ تک بھارتی مظالم کا نشانہ بننے والوں کے بارے میں تحقیق شدہ اعداد و شمار یہ ہیں:

شہداء ۳۵'۰۰۰

زخمی، بشمول جو مستقل طور پر معذور ہوگئے ہیں۔	۴۰،۶۰۰
اسکول، مدرسے، مکان اور دوکانیں جو نذر آتش کی گئیں	۲۷،۴۷۰
وہ افراد جن کو زندہ جلایا گیا	۲،۱۰۰
خواتین جن کی اجتماعی بے حرمتی کی گئی	۴،۷۰۰
خواتین جو اجتماعی آبرو ریزی کے دوران شہید ہوگئیں	۲۱۰
خواتین جن کی لاشیں جہلم کے ذریعے پاکستان آئیں	۳۹۰
بھارت کی جیلوں اور تعذیب خانوں میں محبوس	۱۸،۰۰۰
جموں اور کشمیر کی جیلوں اور تعذیب خانوں میں محبوس	۲۴،۳۰۰
آزاد کشمیر آنے والے مہاجرین	۳۹،۵۰۰

بحوالہ Facts File : Kashmir از بریگیڈیئر محمد شفیع خان۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء۔

2_ Alastir Lamb "Kashmir: A disputed Legacy 1846-1990" and "Birth of a Tragedy: kashmir 1947"

3_ M.J. Akbar " Kashmir Behind The Vale" Delhi 1991p 183

4_ "Encyclopaedia of Government and Politics" New York 1992 vol 2 p 1062

5_ F.S. Northedge "The Resort to Arms: in the use of force in International Relations" London.1947.p13

مسئلہ کشمیر اور اہل پاکستان

مقبوضہ جموں و کشمیر کے مسلمان تو اپنے مال و جان سے اپنا سب کچھ اس جہاد آزادی میں لگائے ہوئے ہیں، لیکن ان کے حقیقی حلیف پاکستان کی حکومتوں کی کیا کیفیت رہی ہے، ذرا ایک نظر میں اس کا جائزہ بھی لیجیے۔

۱

سیاسی قیادت کی ناکامی

کشمیر کی تحریک آزادی کے معروضی حقائق، پاکستان کے لئے کشمیر کی تاریخی، نظریاتی، جغرافیائی، معاشی، سیاسی، تہذیبی اور عسکری اہمیت، پاکستانی عوام اور کشمیری مسلمانوں کے جذبات اور عزائم کی یکسانیت کے پس منظر میں جب پاکستان کی حکومتوں کی کشمیر پالیسی کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو حاصل مایوسی اور تشویش کے سوا کچھ نہیں۔ ہر سیاسی قیادت، الّا ماشاء اللہ، کشمیر کے بارے میں ایک واضح، مبنی بر حقیقت، جرات مندانہ اور مربوط پالیسی اختیار کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ایک طرف قائداعظم کے یہ الفاظ دل و دماغ میں گونجتے ہیں کہ "کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے" دوسری طرف اس شہ رگ کی حفاظت سے ایسی غفلت، سہل انگاری اور ژولیدہ فکری نظر آتی ہے، جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔

فکری انتشار کا پہلا مظہر ریاستوں کے بارے میں عمومی پالیسی کا تضاد تھا۔ اس میں یہ بنیادی نکتہ ملحوظ نہ رکھا گیا کہ ریاستوں کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کے عوام کی رائے ہی سے ممکن ہے۔ پھر مسئلہ کے حل کے جتنے مواقع آئے، وہ تمام امریکہ کی

خوشنودی، اپنی کم ہمتی، یا کبھی مجبوری کی وجہ سے سب ضائع کردیے گئے۔ بھارت نے کشمیر پر قبضہ کے لئے فوجی قوت کا سہارا لیا، تو قائداعظم نے جوابی فوجی کارروائی کا حکم دیا، مگر پاکستانی فوج کی انگریز قیادت نے ان احکام پر عمل کرنے سے انکار کردیا۔ اس طرح ایک نادر تاریخی موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ جب بھارت پر عوام اور مجاہدین کا دباؤ بڑھا تو اس نے اقوام متحدہ کی راہ لی۔ یہاں بھی پاکستان نے ایسے موقع پر جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، جب حریت پسند مسلم قوتوں کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور مسئلہ کا عوامی حل قریب نظر آرہا تھا۔ بھارت نے نازک تاریخی لمحات کو غیر موثر بنانے کے لئے بار بار مذاکرات کا چکر چلایا، اور پاکستان کی قیادت ہر بار اس جال میں پھنستی رہی۔

سب سے اہم موقع چین بھارت جنگ (۱۹۶۲ء) نے فراہم کیا تھا، لیکن ہم بھارت کے سفارتی جھانسہ کا شکار ہوگئے اور مذاکرات کی بھول بھلیوں میں اس تاریخی موقع کو ضائع کردیا۔

۱۹۶۵ میں مناسب تیاری اور مقبوضہ کشمیر میں زمین ہموار کیے بغیر ایک بڑا اقدام کردیا گیا، جس کے نتیجہ میں تاشقند کی ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، علاقے میں روس کا عمل دخل بڑھ گیا اور بھارت اور روس کے تعاون نے علاقہ کی سیاست کے نقشے کو ہی تبدیل کردیا۔

۱۹۷۱ کی شکست کے بعد "شملہ معاہدہ" کیا گیا جس کے ذریعہ بھارت نے کوشش کی کہ کشمیر کے مسئلہ کو ایک بین الاقوامی مسئلہ کے بجائے محض پاکستان اور بھارت میں "دو طرفہ معاملہ" بنادے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد تو "جنگ بندی لائن" کو "لائن آف کنٹرول" میں تبدیل کرکے، بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرنا تھا۔ بھارت کے سفارت کاروں کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ اس بات کو ذوالفقار علی بھٹو سے تسلیم کرالیا گیا تھا۔ مگر ایسی کوئی چیز تحریری شکل میں موجود نہیں ہے، بلکہ معاہدہ شملہ میں بین الاقوامی معاہدات اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا ہے اور کشمیر کے مسئلہ کے "آخری حل" کی ضرورت کا اقرار کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے بعد بین الاقوامی اداروں میں مسئلہ کشمیر کو اٹھانے سے عملاً احتراز کیا گیا۔

گزشتہ ۱۲ سال میں سات حکومتیں برسراقتدار رہی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

نے چند نیم دلانہ اقدامات عوام کو خوش کرنے کے لئے اور جہاد کشمیر کی تقویت کے لئے کیے، تو فوراً اسی لمحے بیرونی ممالک کے دباؤ اور اپنی کم ہمتی کے باعث ایسے اقدامات بھی کیے جن سے اس عظیم جدوجہد کو شدید نقصانات پہنچے۔ پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد، دسمبر ۱۹۸۸ میں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کی آمد پر، اسلام آباد سے کشمیر ہاؤس کا بورڈ اتروا دینا، اور ریڈیو ٹی وی سے آزاد کشمیر کے موسم کے اعلانات روک دینا، صرف بزدلی ہی نہیں، کشمیر کے بارے میں کمزوری اور شرمناک پسپائی کی علامت بھی تھا۔ پھر جب بھارت کے وزیراعظم نے کشمیر میں ریفرنڈم کرانے کے جواب میں کہا کہ وہاں آٹھ بار انتخاب ہوچکا ہے، تو پاکستان کی وزیراعظم خاموش بیٹھی رہیں۔ انھیں اتنا کہنے کی جرات بھی نہ ہوئی کہ یہ بھارت کا موقف ہے، ہمارا موقف اس سے جدا ہے ۳۔ اسی طرح سکھوں کے بارے میں جو روش اختیار کی گئی اور جس کا بے نظیر بھٹو نے ۱۹۹۴ میں اعتراف بھی کرلیا ہے، اس سے بھی کشمیر میں جہاد کمزور ہوا۔ بھارتی پنجاب کے بارے میں اطمینان کا سانس لینے کے بعد بھارت نے کشمیر میں بھی اپنی عسکری قوت میں تقریباً پچاس فیصد کا اضافہ کرلیا۔

جناب نواز شریف کشمیر کی آزادی کے نعرے پر انتخاب جیت کر ۱۹۹۰ میں وزیراعظم بنے، لیکن امریکہ کے دباؤ کی مزاحمت نہ کرسکے۔ جب پاکستان کو "دہشت گرد ریاست" قرار دینے کی دھمکی دی گئی، تو ان کی حکومت نے بوکھلا کر نیم دلی کا رویہ اختیار کرلیا۔ تیسرے آپشن کی باتیں کی گئیں، تحریک کی امداد سے دست کشی کا آغاز کیا گیا، اور اسے غیر حکومتی اداروں (NGOs) کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی منصوبہ بندی ہوئی۔ عالمی سطح پر جتنی سرگرمی کی ضرورت تھی اس کا عشر عشیر بھی نہ کیا گیا۔ ۳۰ مہینے اقتدار میں رہنے کے باوجود کشمیر کے بارے میں مربوط، مسلسل اور یکساں پالیسی نہ بنائی گئی۔ ان کے دور میں لبریشن فرنٹ کی پشت پناہی کی گئی، مجاہدین کو آپس میں تقسیم کیا گیا، اور تحریک کی امداد کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔

نگراں وزیراعظم جناب معین قریشی نے کشمیر کے مسئلے کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے جوڑ کر خود ایٹمی پروگرام کو نئے کنفیوژن میں لپیٹ دیا۔ حالانکہ ایٹمی پروگرام کی جتنی ضرورت جہاد کشمیر کے دوران ہے، اس سے زیادہ ضرورت جہاد میں کامیابی کے بعد

ہوگی، تاکہ پاکستان اور کشمیر کی حفاظت ہوسکے۔

پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت گو زبانی طور پر اب کشمیر کے مسئلہ میں زیادہ دلچسپی لے رہی ہے، لیکن فی الحقیقت یہ حکومت ایک مربوط اور موثر پالیسی سے محروم ہے۔ وزارت خارجہ کسی اور ذہن سے کام کررہی ہے، اور کچھ دوسرے ادارے کسی اور انداز میں چل رہے ہیں۔ اقتدار سنبھالتے ہی اقوام متحدہ سے کشمیر کی قرارداد واپس لے لی گئی، جو ایک فاش غلطی تھی۔ پھر جس طرح جنیوا میں معاملہ کیاگیا اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ، ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

حکومت نے مسئلہ کو اٹھانے کے لئے ایک ایسے فورم کا انتخاب کیا، جس میں صرف بنیادی حقوق کی بات ہوسکتی تھی، وہاں پر حق خودارادیت کے معاملہ کو نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔ پھر بھارت کی سفارتی مہم کے مقابلہ میں بڑے کمزور اور غیر موثر انداز میں وہاں پاکستان کا موقف پیش کیاگیا، متعلقہ ممالک کی تائید حاصل کرنے کی مہم غیر مرتب تھی، سفارتی ٹیم کمزور اور غیر موثر تھی، حقائق کا عدم ادراک اور صحیح معلومات کا فقدان تھا، قوم کو آخری وقت تک خوش فہمیوں میں مبتلا رکھاگیا، اور آخری وقت میں اپنے پرانے دوستوں، چین اور ایران کی بھی مکمل تائید سے محروم ہوکر قرارداد کو واپس لیاگیا۔ پھر اس سفارتی شکست کو ایک کامیابی بناکر پیش کرنے کی بھونڈی کوشش کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ کشمیر پر ایک حکیمانہ اور جرات مندانہ پالیسی بالکل واضح اور دو ٹوک انداز میں مرتب ہونی چاہیے۔ اس پر حکومت اور حزب اختلاف دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ ضرورت ہے کہ زندگی اور موت کے اس مسئلہ کو سیاست کا کھلونا نہ بنایا جائے۔ سنجیدہ غور و فکر اور مخلصانہ مذاکرات کے ذریعے، ایک ایسی موثر پالیسی وضع کرنے کے ساتھ، اس کے نفاذ کے لئے قومی سطح پر مؤثر مشینری بھی قائم کرنی چاہیے۔

۲

کشمیر پر قومی پالیسی کیا ہو؟ یہ طے کرنے سے پہلے دو امور کا جائزہ ضروری ہے۔

پہلا یہ کہ اس وقت بھارت کے اسٹریٹجک عزائم کیا ہیں' اور کشمیر کے بارے میں اس کی حکمت عملی کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ امریکہ اور مغربی اقوام' بظاہر سرد جنگ کے ختم ہو جانے اور ان کے اپنے زعم میں ایک قسم کی unipolar world وجود میں آنے کے بعد' اس علاقے میں کیا کھیل کھیل رہی ہیں اور ان کے اہداف کیا ہیں۔ پاکستان کی کشمیر پالیسی کی تشکیل میں ان دونوں عوامل کو ملحوظ رکھنا' اور ان کی روشنی میں منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

بھارت کے عزائم

بھارت کا اصل ہدف نہ صرف ایک علاقائی سپر پاور بننا' بلکہ ایک ورلڈ پاور بننا ہے' جسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی ایک مستقل نشست حاصل ہو۔ کشمیر کے بارے میں بھارت ابھی تک اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اسے قوت کے ذریعہ سے اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ جینوا میں جو محدود سفارتی کامیابی اسے حاصل ہوئی ہے' اس نے اس کے نشہ کو کچھ اور بھی بڑھا دیا ہے۔

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ کانگرس اور بھارتیہ جنتا پارٹی' کشمیر کی حد تک ' ایک دوسرے سے قریب آگئے ہیں اور ان کے پالیسی کے اہداف میں یکسانی پیدا ہو رہی ہے۔ بھارتی پارلیمنٹ میں کشمیر پر جو مذموم قرارداد منظور کی گئی ہے' وہ انتہا پسندانہ فکر کی غماز ہے۔ اب ہر فورم پر جن بحثوں کو اٹھایا جا رہا ہے' وہ بھی بی جے پی کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بھارتی پالیسی میں تشدد اور عدم لچک میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس پر وہاں کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کی تشویش میں اضافہ ہوا ہے' کیونکہ اصل زمینی حقائق سے یہ پالیسی بہت دور ہے۔ ان شاء اللہ اس کا انجام اس سے مختلف نہیں ہو سکتا جو روس کی اسی نوعیت کی افغان پالیسی کا ہوا۔

۱۔ بھارت کا پہلا ہدف، کشمیر کو ہر صورت میں اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایک طرف کشمیر میں اپنی پر تشدد پالیسی کو اس انتہا تک لے جارہا ہے، جسے عسکری اصطلاح میں Scorch earth policy (زمیں سوز حکمت عملی) کہتے ہیں۔ یعنی، ہر چیز راکھ کردو ---- فصلیں، عمارتیں، انسان ---- اور اس طرح دشمن پر قابو پالو۔

۲۔ دوسری طرف وہ سیاسی بات چیت کا کھیل بھی کھیلنے کی کوشش کررہا ہے۔ پرانے سیاسی مہروں کو دوبارہ حرکت میں لایاگیا ہے۔ مذاکرات کا دروازہ کھولنے کے لئے نئی کوششیں شروع کی گئی ہیں۔ دستور کی دفعہ ۳۷۰ کے دائرے میں، بلکہ اس سے باہر بھی، بشرطیکہ بھارت سے وابستگی رکھی جائے۔ مزید خود مختاری کے اشارے دیے جارہے ہیں۔ اس بارے میں کئی نئے شوشے بھی چھوڑے جارہے ہیں۔ مگر ابھی تک کسی سمت سے بھی کوئی مثبت رد عمل سامنے نہیں آیا ہے۔

۳۔ بھارت کا تیسرا ہتھیار، مجاہدین اور تحریک آزادی کے سیاسی محاذ کے درمیان پھوٹ ڈالنا، مجاہدین کی تنظیموں کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کرنا، ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا، اور اس طرح ان کی صفوں کو کمزور اور منتشر کرنا ہے۔ اس سلسلے میں جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ اور حزب المجاہدین کو آپس میں لڑانا، اور فرنٹ کے ذریعہ پاکستان دوست قوتوں کو کمزور کرنا، نیز کل جماعتی حریت کانفرنس میں انتشار پیدا کرنا بھی اس کے منصوبے ہیں۔۴۔

۴۔ بھارت کی پالیسی کا ایک اور شاطرانہ حصہ "تیسرا آپشن" یعنی خود مختار کشمیر ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ خلوص سے بھی "آزادی" کی بات کرتے ہوں گے، لیکن یہ بھارت کی پالیسی کا بڑا اہم حصہ ہے۔ اس نے اسے آخری حربے کے طور پر اپنی پالیسی کا حصہ بنایا ہے، کہ کشمیر، بھارت کا حصہ نہ رہ سکے تو پھر وہ پاکستان سے مل کر پاکستان اور برعظیم کے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی نہ بن سکے۔ بلکہ ایک ایسی کمزور آزاد مملکت وجود میں آجائے، جسے مفاد کی جنگ میں بہ آسانی استعمال کیا جاسکے۔

امریکہ اور چند مغربی اقوام بھی اپنے مفاد کے چکر میں کسی ایسے ہی نظام کی فکر میں

ہیں۔ جس کے ذریعہ ان کو ایشیا کے اس اہم اور حساس علاقے میں اپنے قدم جمانے اور اپنے مفاد کی خاطر ایک کمزور ملک کی حیثیت سے کشمیر کو استعمال کرنے کا موقع مل سکے۔

۵۔ بھارت ایک طرف پاکستان پر مسلسل فوجی دباؤ بھی بڑھا رہا ہے' اور دوسری طرف امریکہ اور مغربی ممالک میں پاکستان کے خلاف زبردست سفارتی مہم چلا رہا ہے' تاکہ دوسرے ممالک سے پاکستان پر فوجی' معاشی اور سیاسی دباؤ ڈلوایا جاسکے۔

یہ پانچ نکاتی حکمت عملی ہے' جس پر بھارت کاربند ہے۔ یہ حکمت عملی بالکل فوجی حکمت عملی کے طور پر بنائی گئی ہے۔ یعنی بظاہر ایک دوسرے سے غیر مربوط اہداف' لیکن دراصل امکانات کو سامنے رکھ کر متبادل ترجیحات کی صورت میں ان کو ایک ہی پالیسی کا حصہ بنایا گیا' ہے تاکہ اگر ایک ہدف حاصل نہ ہوسکے تو دوسرا یا تیسرا ہدف حاصل کیا جاسکے' اس طرح خود مذاکراتی پوزیشن میں تغیر و تبدیلی بھی ممکن ہوسکے۔

"خود مختار کشمیر" کی بات بھارت نے اسی وقت سے شروع کردی تھی' جب اسے ابتدائی دور ہی میں یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ اگر استصواب رائے ہوا تو اس کے نتیجہ میں کشمیر کے عوام پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ حالانکہ اقوام متحدہ کی قرارداد میں واضح طور پر صرف دو آپشن بیان کئے گئے ہیں' یعنی بھارت یا پاکستان سے الحاق۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے صدر نے مسئلہ کی جامع اور قاطع تشکیل اس طرح کی:

جو وثائق ہمارے سامنے ہیں' وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں پارٹیوں (یعنی بھارت اور پاکستان) کے درمیان مندرجہ ذیل تین امور پر مکمل اتفاق ہے:

۱) یہ سوال کہ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت سے ہوگا یا پاکستان سے' اس کا فیصلہ استصواب رائے کے ذریعہ ہوگا۔

۲) استصواب کا انعقاد ایسے حالات میں کیا جائے گا' جن کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ مکمل طور پر غیر جانبدار ہیں۔

۳) یعنی یہ استصواب اقوام متحدہ کے زیر اہتمام منعقد ہوگا۔

یہی وہ موقع تھا کہ بھارت کے نمائندوں نے "خود مختار کشمیر" کا شوشہ چھوڑا تھا۔ گوپال سوامی آئنگر نے جو اقوام متحدہ میں بھارت کے نمائندہ تھے، ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ کو کہا:

ہم سب نے اتفاق کیا ہے کہ (کشمیر کے) معاملات کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق فیصلہ طلب امور ہیں۔ ان میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ آیا کشمیر بھارت سے اپنے الحاق کی نفی کرتا ہے، یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرتا ہے، یا آزاد رہنے کا فیصلہ کرتا ہے، جس میں وہ خود اقوام متحدہ کا رکن بن سکے۔

اس کے بعد ۱۹۶۴ میں شیخ عبداللہ پاکستان آئے، اور صدر فیلڈ مارشل ایوب خان سے ملاقات کی۔ اس میں انھوں نے "خود مختار کشمیر" اور کشمیر، بھارت اور پاکستان کے کنفیڈریشن کی بات کی، جسے صدر پاکستان نے دو ٹوک الفاظ میں رد کردیا، اور کہا کہ یہ ایک آپشن نہیں ہے، بلکہ ایک استعماری سازش ہے۔ بقول الطاف گوہر، اس مسئلہ پر شیخ عبداللہ نے یہ بھی کہا کہ "اہل کشمیر کا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے"۔۵۔

بدقسمتی سے ایک زمانے سے خود پاکستان کی وزارت خارجہ اور کچھ دوسری ایجنسیوں کے چند "دانشور" اس بات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ وہ اپنی خام خیالی میں اسے بھارت پر دباؤ ڈالنے کا ایک موثر ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ اپنے ملک اور ملت اسلامیہ کے حقیقی عزائم اور مفادات سے بے خبری، اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کی اس سے زیادہ افسوس ناک مثال اور کیا ہوسکتی ہے!

کشمیر کی تحریک جہاد آج اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ کشمیر کا بھارت سے وابستہ رہنا ناممکن ہوتا جارہا ہے، اس لئے "خود مختار" کشمیر کی بات کو مختلف اشکال اور منصوبوں کی صورت میں ایک بار پھر پیش کیا جارہا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کو سامنے رکھا جائے۔

بھارت کا اصل مقصد جہادی تحریک کو کمزور کرنا، کشمیر کے مسلمانوں کو الجھاؤں میں ڈالنا، تحریک کو پاکستان اور اہل پاکستان کی ہمدردیوں سے محروم کرنا، اور ---- اگر بھارت کے لئے کشمیر پر قبضہ ناممکن ہوجائے ---- اسے حقیقی آزادی، اور پاکستان سے مل کر ایک موثر قوت بن جانے سے روکنا ہے۔ وہ کسی صورت بھی پاکستان کو مضبوط

دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کشمیر ہاتھ سے جاتا ہے، جب بھی وہ خود مختار کشمیر کے شوشے کے ذریعہ کشمیر اور پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرے، اور کشمیر کے ان عناصر کے ساتھ ساز باز کے ذریعہ جو اب تک اس کا آلہ کار بنے رہے ہیں، کشمیر کی اسلامی قوتوں سے ان کو نبرد آزما کرے، کشمیریوں کو مسلسل لڑاتا رہے، اور کشمیر اور پاکستان میں نزاع اور تصادم پیدا کرے، تاکہ پاکستان اور کشمیر دونوں کو کمزور کرنے کا کھیل کھیل سکے۔

۳

امریکہ کے عزائم:

یہاں مغربی اقوام کے کردار کا ذکر بھی ضروری ہے۔ امریکہ نے پہلے تو مسئلہ کے وجود کا اعتراف کرنے سے احتراز کیا۔ لیکن جب انسانی حقوق کی پامالی اور خود امریکی رائے عامہ اور ارکان کانگریس کے دباؤ سے اسے اس مسئلہ کو تسلیم کرنا پڑا، تو اس کے پالیسی ساز ایسے منصوبے بنانے میں مشغول ہوگئے، جن سے علاقے میں امریکی مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔

امریکہ ایک طرف اس علاقے میں بھارت کی بالادستی کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے، بلکہ پورے مغرب جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا میں بھارت کو ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اس کا ایک مقصد عوامی جمہوریہ چین کے مقابلہ میں ایک ایسی قوت کی پشت پناہی، ہے جو ایشیا میں طاقت کے توازن کو متاثر کرسکے۔ نیز صیہونی اور سیکولر لابی نے جس طرح اسلامی احیاء کی تحریک کو امریکہ اور مغرب کے ابھرتے ہوئے دشمن کی طرح پیش کیا ہے، اس پس منظر میں بھی سیکولر بھارت کو جو اب سوشلزم سے تائب ہوکر سرمایہ داری کا علم بردار بن چکا ہے، ایک حلیف کی حیثیت دی جارہی ہے۔ امریکہ کے دانش وروں کی طرف سے اس زمانے میں چند تجاویز پورے زور شور سے پیش کی جارہی ہیں۔ ان سب کا اصل مقصد بھارت کی اس حیثیت کا تحفظ اور علاقے میں امریکہ کے اپنے قدم مضبوط کرنا ہے، مثلاً:

۱) کشمیر میں موجودہ لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلیا جائے' اور اس طرح معاملہ کو رفع دفع کردیا جائے۔

بھارت کا تو معاہدہ شملہ کے بعد ہی سے یہ ہدف رہا ہے' مگر اہل کشمیر اور پاکستان نے اس کو بالکل مسترد کردیا ہے' پھر بھی امریکی اور بھارتی دانشور برابر اس کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال امریکن کانگریس کی امور خارجہ کمیٹی کے سربراہ' لی ہملٹن کی وہ تقریر ہے جو واشنگٹن کی ایشیا سوسائٹی کے اجلاس میں کی گئی۔ اس سے پہلے سیلگ ہیری سن اور سٹیفن سولارز' جو انڈیا لابی کے سرخیل رہے ہیں' ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنانا پاکستان اور اہل کشمیر کے لئے تو ہمیشہ ہی سے ناقابل قبول تھا' اب سیاسی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی یہ ناقابل غور ہوگیا ہے۔

۲) جس اسکیم پر زیادہ کام ہورہا ہے' وہ یہ ہے کہ جموں اور لداخ کے ہندو اکثریت کے علاقے بھارت میں مدغم کردیئے جائیں' باقی علاقے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست کی شکل دے دی جائے۔ اس کی مختلف شکلیں بیان کی جارہی ہیں' یعنی'

☆ ۔گلگت اور شمالی علاقہ جات پاکستان میں ملا دیئے جائیں' اور موجودہ آزاد کشمیر سمیت باقی حصے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست بنادیا جائے۔

☆ ۔گلگت' شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کو پاکستان میں ملا دیا جائے اور صرف کشمیر کی وادی اور جموں کے مسلم علاقوں کو ملاکر ایک ریاست بنائی جائے۔

☆ ۔"خود مختار کشمیر" کو (اس کی حدود جو بھی طے ہوں)' بھارت اور پاکستان دونوں کی سرپرستی اور مشترکہ حاکمیت (Condiminium) کے تحت رکھا جائے۔

☆ ۔"خود مختار کشمیر" کو ۵ سے ۱۰ سال کے لئے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ (تولیت) میں دے دیا جائے۔

☆ ۔"خود مختار کشمیر" مکمل طور پر آزاد ہو' اور اس کی ترقی کے لئے امریکہ اور مغربی ممالک اسی طرح مدد کریں' جس طرح غزہ اور اریحہ کے فلسطینی

علاقہ کے متعلق منصوبے بنائے جارہے ہیں۔

۳) ایک اسکیم یہ بھی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو ایک وحدت رکھا جائے' مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کو ملاکر ایک ریاست بنے' اور یہ پوری ریاست مکمل طور پر ایک آزاد ریاست ہو۔ اسے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے یا یہ بھارت اور پاکستان کی مشترک حاکمیت میں ہو۔

ہماری نگاہ میں یہ سب تجاویز مسلمانان کشمیر اور پاکستان کے خلاف سازش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد مسئلہ کشمیر کو حل کرنا نہیں' بلکہ اسے مستقل الجھا دینا ہے۔ علاقہ میں دائمی کشمکش اور خود مسلمانوں کے درمیان تصادم اور افتراق کا بیج بونا ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مسئلہ کا تعلق تقسیم ملک کی اس اسکیم سے ہے' جس پر بھارت اور پاکستان کی ریاستیں قائم ہوئیں۔ مسئلہ کی سیاسی' اخلاقی اور قانونی بنیاد تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے' جسے بھارت نے آج تک مکمل نہیں ہونے دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اتنی قربانیوں کے باوجود یہ معاملہ طے نہ ہوپائے۔ بھارت نے اپنے مفاد کی خاطر تو حیدر آباد' دکن جیسی ریاست پر قبضہ کیا' گوا جیسے بین الاقوامی علاقے کو فوج کشی کے ذریعے اپنے قبضہ میں لیا' کشمیر کو بہ زور اب تک اپنے قابو میں رکھا' سکم' نیپال اور بھوٹان کی حاکمیت کا مذاق اڑایا' مالدیو میں فوج بھیجی' مشرقی پاکستان کو فوج کشی کے ذریعہ پاکستان سے کاٹا' سری لنکا میں کھلی کھلی مداخلت کی۔ لیکن اب جبکہ کشمیر کا مسئلہ صحیح رخ پر عوام کی مرضی کے ذریعہ سے حل ہونے کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں' تو اس مسئلہ کو مزید الجھانے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ اگر ایک مرتبہ ہم تقسیم ملک کے اساسی اصول سے انحراف کرتے ہیں' تو پھر منصفانہ حل کے لئے کوئی قانونی اور سیاسی بنیاد باقی نہیں رہے گی۔

مسئلہ کشمیر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بھارت نے گزشتہ نصف صدی کے دوران میں جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کو ایک منصوبہ کے تحت کم کیا ہے۔ ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق مسلمان پوری ریاست کی آبادی کا ۸۰ فی صد تھے۔ ۱۹۵۱ میں مقبوضہ کشمیر میں ان کا تناسب ۷۰ فی صد رہ گیا۔ ۱۹۹۱ کی مردم شماری کے

مطابق اب یہ تناسب ۶۲ فی صد ہوگیا ہے۔ ان حالات میں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ اگر استصواب ہوا اور اس میں دو کی بجائے تین آپشن دیئے گئے تو ہندو آبادی اور مفاد پرست مسلمان متفقہ طور پر بھارت کے حق میں رائے ڈالیں' اور باقی مسلمانوں کا ووٹ پاکستان اور خود مختار کشمیر کے درمیان بٹ جائے۔ اس طرح بھارت وہ مقصد حاصل کرلے' جو وہ آج تک نہ سیاسی چالوں سے حاصل کرسکا اور نہ عسکری قوت سے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جغرافیائی' معاشی' اسٹریٹجک وجوہ سے اس حساس علاقے میں کسی چھوٹی سی ریاست کا آزاد رہنا مشکل ہے۔ یہی بھارت اور مغربی اقوام کا مقصد ہے' کہ اس علاقے میں ایک ایسی کمزور ریاست بن جائے' جس کا انحصار ان کی مدد پر ہو' اور اس طرح وہ پاکستان اور چین کی سرحد پر اپنے قدم جما سکیں اور علاقے کو مستقل طور پر ایسی سازشوں اور علاقائی تنازعات کی آماج گاہ بناسکیں۔ چین پر اس کے دور رس اثرات ہوں گے' اور چین اور تبت میں بھی اس طرح انتشار اور افتراق کے بیج بوئے جاسکیں گے۔

اس طرح نظریاتی اعتبار سے بھی اس علاقے کو نہ صرف یہ کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بننے سے روکا جاسکے گا' بلکہ مغربی ثقافت' تہذیب اور معیشت کے اثرات کے لئے سارے دروازے کھولے جاسکیں گے۔ خود اسرائیل کے مشیر اور پالیسی ساز انھی خطوط پر علاقے کے مستقبل کے نقشے بنا رہے ہیں۔ ان تمام سازشوں کا مقابلہ صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔ وہ ہے پاکستان سے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق' اور پھر اس پوری قوت کا اسلامی احیاء اور ایک مضبوط پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے لئے استعمال۔

یہاں ہم ایک وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ الحاق کے بعد' جہاں پاکستان کی تعمیر و ترقی میں مسلمانان جموں و کشمیر اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے' وہیں پہ آئینی سطح پر یہ پاکستان کا عہد ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کی مرضی سے یہ طے کیا جائے گاکہ پاکستان سے اس کے تعلق کی نوعیت اور ریاست کا نظام چلانے کا نقشہ کار کیا ہوگا۔ اس بات کی ضمانت پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ میں دفعہ ۲۵۷ کی شکل میں دی گئی

ہے۔ اور یہ دفعہ انھی الفاظ کے ساتھ ۱۹۵۶، ۱۹۶۲ اور ۱۹۷۳ کے دساتیر میں درج ہے:

جب ریاست جموں و کشمیر کے عوام پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں، تو پاکستان اور مذکورہ ریاست کے درمیان تعلقات مذکورہ ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق متعین ہوں گے۔ (دفعہ ۲۵۷)

بھارت یہ بات بھی بار بار پیش کرتا ہے کہ اگر ریاست جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہوجائے تو اس کے بڑے خراب اثرات بھارت کے مسلمانوں پر پڑیں گے۔ ان کے جان و مال کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ بھارت مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آجائے گا، اس طرح یہ خود مسلمانوں کے خلاف ہے۔ یہ دلیل جنیوا میں بھی بڑے شدومد سے دی گئی۔ ساری عرب دنیا میں بھارت کے سفارت کار اس دلیل کو پیش کررہے ہیں اور چند بھارتی مسلمان بھی اس بات کو پھیلانے کے لئے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس دلیل کا بودا پن الم نشرح ہوجاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ برعظیم پاک و ہند کی تقسیم ایک اصول کی بنیاد پر ہوئی جسے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تسلیم کیا۔ وہ اصول اگر ۱۹۴۷ میں صحیح تھا تو آج کیسے غلط ہوگیا؟

دوسری بات یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل اور بھارت اور پاکستان سے الحاق کے لئے استصواب کے راستے کو بھی بھارت، پاکستان، اقوام متحدہ اور کشمیری عوام نے تسلیم کیا، یہ ایک معاہدہ عمرانی ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اس کو فرقہ واریت کا نام دینا اور فرقہ وارانہ فسادات کا ہوا دکھاکر اس معاہدہ کو ختم کرنے کا آخر کیا جواز ہوسکتا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ گذشتہ ۵۰ سال سے ریاست جموں و کشمیر کا بڑا حصہ جبر کے ذریعہ بھارت کا حصہ رہا ہے۔ لیکن کیا اس وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو کوئی تحفظ حاصل ہوا ہے، جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو، یا خود بھارت کے مسلمانوں کو؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت بل اور چرار شریف کا واقعہ اسی زمانے میں ہوا اور مسلمانوں کے خون سے خود جموں و کشمیر میں ہولی کھیلی گئی؟ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ اس زمانے میں بھارت میں خود سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۹ ہزار سے زیادہ مسلم کش

ہوں گے، جتنا پاکستان مضبوط ہوگا اور اتنے ہی کمزور ہوں گے جتنا پاکستان کمزور ہوگا۔ اس کا تجربہ سارک کے تمام ممالک کررہے ہیں۔ بھارت کا کوئی بھی ہمسایہ اس کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بنگلہ دیش تک بھارت کی چیرہ دستیوں سے پریشان ہے۔ نیپال، سکم، بھوٹان، لنکا، مالدیپ گویا کہ ان میں سے ہر ملک اپنی آزادی اور عزت کو بچانے کے لئے پریشان ہے اور پاکستان کی طرف اس امید سے دیکھتا ہے کہ مضبوط پاکستان خود ان کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے۔ یہی معاملہ بھارت کے مسلمانوں کا ہے۔ اور تقسیم ملک کے معاہدے اور خصوصیت سے "لیاقت۔ نہرو پیکٹ" کا یہی پیغام ہے۔

۴

ہم نے جو گزارشات اوپر کی ہیں یہی بھارت کے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے، وہ اپنے نام پر کشمیر کے مسلمانوں کی غلامی کو بھارت کی ہندو قیادت کی ایک چال سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دہلی کے ہفت روزہ Radiance نے بالکل کھلے الفاظ میں یہ لکھا ہے:

> ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس آئی کی نگاہ میں بھارت کے پندرہ کروڑ سے زیادہ کی مسلمان اقلیت، کشمیر کے پس منظر میں، وہی حیثیت رکھتی ہے جو شطرنج میں پیادہ اور ایک بے جان مہرہ کی ہوتی ہے۔ ایک نہایت غلط لیکن جان بوجھ کر زور و شور سے پیدا کیا جانے والا تاثر کہ مسلمانوں کی حیثیت یرغمال سے بہتر نہیں۔
>
> سوال دراصل یہ ہے کہ کیا مسلمان اقلیت ---- آج کی مسلمان اقلیت، کشمیر کے آلہ الحاق میں ایک فریق اور شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر نہیں تو پھر پاکستان اور بھارت کے درمیان اس تنازع میں وہ کہاں سے شریک بن جاتے ہیں؟
>
> کیا بھارتی مسلمانوں نے اس تنازع میں کبھی بھی کوئی مثبت یا منفی رول ادا کیا

ہے؟ اگر نہیں تو پھر آج انھیں گھسیٹ لانے کا کیا قانونی اور اخلاقی جواز ہوسکتا ہے ؟ کیا مسلمانان ہند اور مسئلہ کشمیر میں کوئی حقیقی تعلق اور ربط ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کیا محرک ہے، جس کی بناء پر اس معاملہ میں گردن زدنی قرار دیا جارہا ہے۔ کیا جب پاکستان پر پنجاب میں خالصتان کی تحریک کی تائید کا الزام لگایا جارہا تھا تو باقی تمام بھارت کی خالصہ کمیونٹی کو بھی ایسے ہی نظریہ کی گرفت میں لیا گیا تھا؟ اور کیا مسلمانان ہند کے بارے میں یہ تمام نہایت غیر ذمہ دارانہ بیانات جو بظاہر نہایت ذمہ دار حضرات کی زبانوں پر جاری ہیں، دراصل بھارتی مسلمانوں کے خلاف اکثریتی فرقہ کو اکسانے کے مترادف نہیں؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو یہ ترغیب دی جائے کہ جیسے ہی کشمیر بھارت کے چنگل سے نکلے، بھارتی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو اور گلی کوچے میں ان کا قتل عام کرو؟ کیا اس طرح بھارتی مسلمانوں کے خلاف ایک معاندانہ فضا تیار نہیں کی جارہی؟

ہمیں دکھ ہے کہ یہ باتیں وہ ہی نہیں کہہ رہے جو متعصب ہندو ہیں، یا ایم ایم جوشی اور بال ٹھاکرے جیسے لوگ ہی یہ زبان استعمال نہیں کررہے، بلکہ مرکزی حکومت کے وزراء اور اس کے سفیر یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان پاکستان اور اسلامی عرب دنیا، اگر بھارت کے مسلمانوں کے تحفظ سے دلچسپی رکھتی ہے تو پھر اسے جموں و کشمیر کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ اور اگر انھوں نے جموں و کشمیر میں دلچسپی لی تو اس کا نقصان بھارت میں ان کے ہم مذہبوں کو ہوگا۔

اگر اس حکمت کا نام بھارتی مسلمانوں کو یرغمالی بنانا نہیں، تو خدارا ہمیں بتاؤ اسے کس نام سے پکاریں؟

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی میں حد فاصل ختم ہوتی جارہی ہے۔ وزیراعظم نرسیماراؤ کو جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن کے سامنے بھارت کی وکالت کے لئے بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر اٹل بہاری واجپائی کے سوا کوئی اور نہ مل سکا، وہی واجپائی جس نے بار بار کہا ہے کہ

"تقسیم ہند پر خط تنسیخ پھیر دو"۔ کیا اب کانگریس بھی اسی مسلک پر آگئی ہے؟ یا یہ آنے والے دور کی ایک جھلک ہے؟ ۶۔

۵

پاکستان کی کشمیر پالیسی

ان حالات میں پاکستان کی کشمیر پالیسی کیا ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کشمیر پالیسی کا مقصد پاکستان اور علاقے کے مسلمانوں کے عزائم اور حقیقی مفادات کا حصول ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ کے بنیادی حقائق یہ ہیں:

۱۔ مسئلہ کشمیر، ریاست جموں و کشمیر کے سوا کروڑ مسلمانوں کے ایمان، عزت، آزادی اور سیاسی اور تہذیبی مستقبل کا مسئلہ ہے۔ یہ تقسیم ملک کے نامکمل ایجنڈے کا حصہ ہے، پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ محض ان دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی تنازع نہیں۔ اس لئے ہماری سیاسی ترجیحات میں اسے اولیت دینا چاہیے۔

۲۔ مسلمانان جموں و کشمیر نے اپنی بیش بہا قربانیوں کے ذریعے اس مسئلے کو زندہ رکھا ہے، اور اس وقت اسے اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں بھارت اور دنیا کے دوسرے ممالک یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں، کہ اس مسئلہ کو حل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کے فریق پاکستان، بھارت اور اقوام متحدہ بھی ہیں۔ پاکستان کا فرض ہے کہ ایک فریق کی حیثیت سے مسئلے کو لے کر اٹھے اور ہر میدان میں اس کے حل کے لئے سرگرم ہو ---- تحریک جہاد کی مدد کے ذریعہ بھی، اور عالمی رائے کو منظم اور مسخر کرکے بھی۔

۳۔ پاکستان اس اٹل موقف سے ہرگز دست بردار نہ ہو کہ مسئلہ کشمیر کے حل کا صرف ایک طریقہ ہے۔ وہ ہے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے۔ اس استصواب میں بھی صرف دو ہی راستے ہیں: یعنی

بھارت یا پاکستان سے الحاق۔ کسی تیسرے آپشن کا دروازہ کھولنا خودکشی کے مترادف ہے، پاکستان کے لئے بھی اور مسلمانان جموں و کشمیر کے لئے بھی۔ پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس موقف کو پوری جرات اور دانش مندی سے پیش کرے۔ پاکستان یہ بات بھی واضح کردے کہ الحاق کے فیصلہ کے بعد، پاکستان اور ریاست جموں و کشمیر میں تعلقات کی نوعیت، نظم و نسق اور انتظام و انصرام کا نقشہ اور خود اختیاری کی شکل و نوعیت کیا ہو، یہ تمام امور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی کے مطابق طے ہوں گے۔

۴۔ پاکستان کا فرض ہے کہ مجاہدین کشمیر کی بھرپور مدد کرے اور اس کے اعلان میں شرمندگی نہ محسوس کرے۔ پاکستان نے کشمیر کی خاطر گزشتہ ۵۰ سال میں بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ آج جب کشمیر کے نوجوان کشمیر اور پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں، ہم ان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ ہماری جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر ان کی مدد کریں۔ ان کی ہر ضرورت کو پورا کریں، اور بھارت نے ان پر مظالم کے جو پہاڑ گرائے ہیں، ہم صحیح معنی میں ان کے پشتی بان بن جائیں۔

۵۔ پاکستان کی حکومت اور عوام کے ساتھ ساتھ اس جدوجہد میں آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ پاکستان کی حکومتوں کی طرح آزاد کشمیر کی حکومت بھی اپنے اصلی مشن کو بھول چکی ہے۔ وہ محض آزاد علاقہ کی حکومت نہیں، بلکہ پوری ریاست جموں و کشمیر کی آزاد حکومت ہے اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد اس کا اولین مقصد ہے۔ اسی لئے اسے بیس کیمپ کا لقب دیا گیا تھا۔ اب ضرورت یہ ہے کہ گروہی سیاست سے بالا ہوکر آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لیں، اور اپنی ترجیحات کو یکسر بدل کر تحریک آزادی کو اس کے منطقی اور فطری نتیجہ تک پہنچانے کے لئے سرگرم ہوجائیں۔

۶۔ حکومت پاکستان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ یہ مقصد محض سیاسی اور

سفارتی جدوجہد سے حاصل نہیں ہوسکتا' مگر سیاسی اور سفارتی مہم بہت اہم ہے۔ اور اب تک اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کیے جاسکے ہیں۔ محض چند وفد باہر بھیجنے سے کام نہیں ہوگا۔ اس کے لئے بڑے ہمہ گیر' منظم اور موثر کام کی ضرورت ہے' جس کے تحت پوری دنیا میں ہر علاقے کے حالات کے مطابق تحریک کشمیر کے تعارف اور اس کے لئے تائید کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ ہماری وزارت خارجہ آج تک اس مقصد میں ناکام رہی ہے۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وزارت کی تنظیم نو ہو' اور کشمیر ڈیسک سب سے اہم ڈیسک ہو۔ ہر اس ملک میں جہاں ہمارا سفارت خانہ ہے' کشمیر سیل قائم کیا جائے۔ علم اور صلاحیت رکھنے والے افراد کو جو کشمیر کے لئے صحیح جذبہ رکھتے ہوں' اس کام پر لگایا جائے اور اس طرح عالمی سطح پر موثر تحریک چلائی جائے۔

۷۔ پوری پاکستانی قوم کو حالات سے آگاہ رکھنا اور جذبہ جہاد سے سرشار کرنا بھی اس پالیسی کا اہم جزو ہونا چاہیے۔ جب تک پوری قوم کو اس تحریک کے لئے متحرک نہیں کیا جائے گا' کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کالج اور یونیورسٹی میں' ہر شہر' قصبہ اور دیہات میں' ہر مسجد اور مدرسہ میں' ہر کارخانہ اور بازار میں' جہاد کشمیر سے لوگوں کو متعارف کرایا جائے۔ قوم میں بڑا جذبہ ہے لیکن اسے آج تک صحیح انداز میں متحرک و منظم نہیں کیا گیا۔

۸۔ حکومت پاکستان کو اپنے بجٹ کو بھی ان ترجیحات کی روشنی میں از سرنو مرتب کرنا ہوگا۔ جہاد کشمیر کی ضروریات کو اولیت دینا ہوگی' اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مناسب ترقی' فوج کو چوکس رکھنا اور قوم کے نوجوانوں کو جہاد کے لئے تیار کرنا ضروری ہے۔ اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ جب کشمیر میں حالات بھارت کی گرفت سے بالکل نکلنے لگیں گے تو وہ پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی کوشش کرے گا۔ کشمیر پالیسی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہم ایسی مسلط کردہ جنگ سے نبٹنے کے لئے تیار رہیں۔ تاریخ

سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو قوم جنگ سے خائف رہی ہے' وہ اپنی آزادی سے بھی محروم ہوگئی ہے' اور جو قوم جنگ کے لئے تیار رہی ہے وہی اپنے ایمان' عزت و آزادی کو محفوظ رکھ سکی ہے۔ امریکی صدر رچرڈ نکسن(۷۴- ۱۹۶۸) نے بہت صحیح کہا تھا کہ "ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قوت کے استعمال سے دست برداری' دراصل دشمن کو اپنے خلاف قوت کے استعمال کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔" بلکہ نکسن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "صرف تیار ہی نہ رہو' بلکہ مخالف کو یہ پیغام بھی دے دو کہ تم ہر قوت کے استعمال کے لئے تیار ہو' یہ وہ چیز ہے جو دشمن کو تم پر دست درازی سے روکے گی"۔ اسی بات کو سابق امریکی وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر نے ایک دوسرے انداز میں کہا ہے کہ "اگر امن کے معنی محض جنگ سے بچنا لے لیے جائیں اور یہ چیز ایک قوم یا بہت سی اقوام کے مجموعے کا بنیادی مقصد بن جائے تو سمجھ لو کہ عالمی سیاسی نظام سب سے زیادہ بے رحم اور سنگ دل ملک کے رحم و کرم پر ہوگا"۔ اس لئے جنگ سے بچنے کا بھی سب سے موثر راستہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا ہے۔

۹۔ بھارت پر موثر دباؤ ڈالنے کے لئے چار ہی اہم طریقے ہیں اور ان چاروں کو موثر انداز میں اور مربوط منصوبہ بندی کے ذریعہ استعمال ہونا چاہیے :

- تحریک آزادی کشمیر کی بھرپور اور موثر مدد' تاکہ مقبوضہ کشمیر میں قابض قوت پر اتنا دباؤ پڑے اور اسے قبضہ کی اتنی گراں قیمت ادا کرنی پڑے کہ وہ پرامن حل کے لئے تیار ہوجائے۔
- عالمی رائے عامہ کو منظم کرنا' اور اس کا دباؤ اتنا بڑھانا کہ بھارت اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کے لئے مجبور ہو۔ اگر فرانس کو الجزائر چھوڑنا پڑا' اگر اقوام متحدہ کو نمیبیا میں استصواب رائے کروانا پڑا' اور اگر جنوبی افریقہ کا گورا سامراج تین سو سالہ نسلی امتیاز کے نظام کو ختم کرنے پر مجبور ہوا' تو بھارت کو بھی کشمیر میں استصواب پر مجبور کیا

جاسکتا ہے' اور بہت جلد کیا جاسکتا ہے۔

• بھارت اور اس کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی عالمی مہم۔ پاکستان خود اس کا آغاز اپنے تمام تجارتی تعلقات منقطع کرکے کرے۔ تمام مسلمان ممالک کو اس کی ترغیب دی جائے کہ OIC کی اپریل ۱۹۹۳ کی قرارداد کے مطابق بھارت کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔ اس وقت صرف مشرق وسطیٰ میں بھارت کی کل برآمدات کا تقریباً ۵۰ فی صد جارہا ہے۔ اگر ایک موثر عوامی اور سرکاری تحریک چلائی جائے تو یہ معاشی دباؤ بھی بھارت کو مجبور کرے گا کہ کشمیر میں استصواب کرائے۔ پھر عالمی پلیٹ فارم پر بھی معاشی پابندیوں کا مطالبہ کیا جائے۔ سلامتی کونسل میں' جنرل اسمبلی میں' دنیا کی مختلف پارلیمانوں میں' یہ قراردادیں منظور کرائی جائیں۔ عوامی بائیکاٹ کی مہم کے ساتھ ساتھ سرکاری پابندیوں کی تحریک بھی چلائی جائے۔ اگر اس واضح ہدف کے لئے کام کیا جائے تو جلد فضا تبدیل ہوسکتی ہے۔

قوم کو جہاد کے لئے تیار کرنا' فوج کا چوکس رہنا اور ایٹمی قوت کا صحیح درجہ میں موجود ہونا۔ ایک طرف یہ چیز بیرونی جارحیت کے لئے موثر رکاوٹ ثابت ہوگی' اور دوسری طرف ہم کو وہ استطاعت حاصل رہے گی کہ اگر دشمن کوئی دست درازی کرتا ہے تو اس کا مؤثر جواب دیا جاسکے۔ نیوکلیر پاور کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے محدود جنگ کے امکانات پیدا ہوگئے ہیں اور مکمل جنگ سے اجتناب ممکن ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس دفاعی استر تیجی میں نیوکلیر پاور کا مؤثر کردار ہے۔

۱۰۔ مندرجہ بالا خطوط پر مرتب کردہ کشمیر پالیسی کی کامیابی کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کے نفاذ کے لئے بھی ایک موثر مشینری وجود میں لائی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ پالیسی اور اسے نافذ کرنے کی مشینری قومی بنیادوں پر استوار کی جائے۔ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ اس سلسلے میں مثبت کردار ادا کریں۔ پارلیمنٹ کو اس بارے میں مناسب ابتدائی اقدامات کرنے چاہئیں۔ ذرائع ابلاغ کا رول بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل

ہے۔ اس کام کے لئے ایک قومی تحریک کی ضرورت ہے۔

جس طرح کشمیر کے نوجوانوں نے چند برسوں کے دوران میں وہاں کی فضا تبدیل کردی ہے' اسی طرح اگر پاکستان کی حکومت' سیاسی جماعتیں اور عوام اپنے فرض کی ادائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں 'تو حالات بہت کم وقت میں بدل سکتے ہیں۔ اس کا فائدہ صرف جہاد کشمیر اور کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی شکل میں ہی نہیں ہو گا' بلکہ قوم کو نئی زندگی اور نیا جذبہ ملے گا' اور اس نئی زندگی اور نئے جذبے کی بنیاد پر پاکستان کو ایک حقیقی اور مضبوط اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔ یہی تحریک پاکستان کا اصل مقصد تھا' اور یہی جہاد کشمیر کی بھی قوت محرکہ ہے۔

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو' ایم جے اکبر کی کتاب Kashmir: Behind the Vale ص ۱۸۰-۱۷۹۔ انیز' کل دیپ نیئر کا مضمون Globalisation of Kashmir. مطبوعہ' The Tribune" ۱۹۔ جنوری ۱۹۹۴' چندی گڑھ' بھارت۔

۲۔ جونیجو مسلم لیگ کی حکومت (۹۸۵-۱۹۸۸) مصطفیٰ جتوئی کی عارضی حکومت (۱۹۸۸) بے نظیر بھٹو کی حکومت (۱۹۸۸-۱۹۹۰)' نواز شریف کی حکومت (۱۹۹۰-۱۹۹۳)' بلخ شیر مزاری کی عارضی حکومت (اپریل' مئی ۱۹۹۳)'معین قریشی کی عارضی حکومت (جولائی' اکتوبر ۱۹۹۳)' بے نظیر بھٹو کی موجودہ حکومت (۱۹۹۳)۔

۳۔ یہ وہ کم سے کم بات ہے جس کا اظہار معاہدہ شملہ میں بھی موجود ہے۔ ورنہ اصل جواب تو یہ تھا کہ انتخابات ایک ڈھونگ تھے جنہیں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل تک نے تسلیم نہیں کیا ہے اور نہ ہی کشمیر کے عوام نے ان کو مانا ہے۔ آج سب اس کا اعتراف کررہے ہیں۔

۴۔ India Today کا مقالہ نگار' ۳۱۔ مئی ۱۹۹۳ کی کشمیر پر خصوصی رپورٹ میں لکھتا ہے "پائلٹ (بھارتی وزیر مملکت برائے کشمیر) کی حکمت عملی یہ ہے کہ آزادی کے ہم نوا عناصر جو پاکستان سے

مایوس ہیں' ان سے پینگیں بڑھائی جائیں اور ان کی مدد کی جائے تاکہ وہ حزب المجاہدین پر چڑھ دوڑیں۔ کھیل کا مقصد یہ ہے کہ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ سے مذاکرات کیے جائیں' انتخابی معرکے میں ان کو مدد کی توقع دلائی جائے' ان کو مسلح کیا جائے اور ان کو اسلحہ اور روپے سے تقویت پہنچائی جائے۔۔۔ حکومت نے جن وجوہ سے جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ سے سلسلہ جنبانی شروع کیا ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرنٹ کے ارکان کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو پہلے نیشنل کانفرنس کے ممبر تھے" (ص - ۴۴)۔

۵۔ ملاحظہ ہو' الطاف گوہر کی کتاب Ayub Khan : Pakistans First Military Ruler سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۳' ص - ۶۰-۳۶۶)۔

6 - "Holding Muslims Hostage" The Radiance Delhi 27 March- 2 Arpil, 1994.